

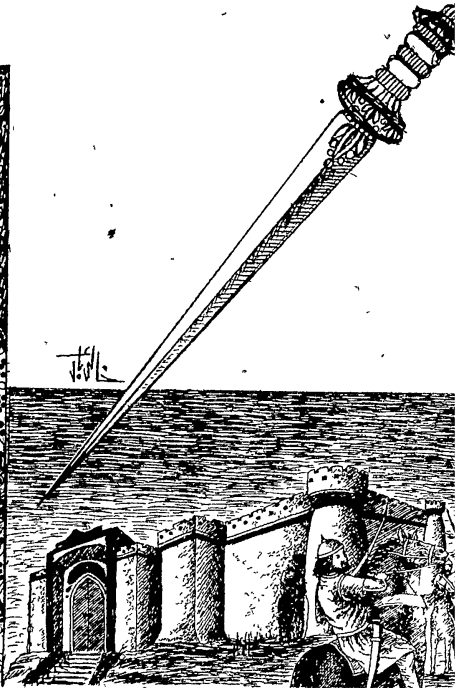
ماضی کا آئینہ۔ باختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اثر و واقعات

# گل گلزار

اے آرا چہوت

عورت میں حیا نہ ہو تو وہ شعلہ اور  
چنگاڑی بن کر جانے کتنے گھروں کو جلا  
کر خاک کر دیتی ہے... وہ بھی ایک فتنہ...  
ایک قیامت تھی... وہ حسن کی دیوی اتنی  
سفاک تھی کہ ہزاروں دلوں کو پیروں تلے روند  
کر ہنستی اور... گزر جاتی... اس کے خواب بہت  
بلند تھے۔ وہ نہ صرف لوگوں کے دلوں پر راج کرنا  
چاہتی تھی بلکہ مملکت کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں  
لینا چاہتی تھی... پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسے  
حکومت کی خواہش نہ رہی... اس نے تو جس دل پر راج  
کرنے کا خواب دیکھا تھا، اس کے ساتھ کی تمنا اسے لے ڈوبی...  
سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں کئی اہم کرداروں نے اپنا  
حصہ ڈالا جن میں جونا خان اور کلپنا کے نام ہمیشہ تاریخ کے  
صفحات پر زندہ رہیں گے۔

URDU BOOKS





راہوں سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کی جوانی بڑھاپے کی سرحد پر قدم رکھ چکی تھی مگر دل آوارہ لڑکے کی طرح مچھلا تھا۔

☆☆☆

وہ دیوایی کی رات تھی جب جھوپڑوں سے لے کر محلوں تک سبھی کے چلتے ہوئے دیے اپنی بھار دکھا رہے تھے۔ رنگ و بکھت کی تھنٹھیں جی ہوئی تھیں۔

ادھر کلپنا کو خیال تھا کہ آج بھاکوان رات ہے۔ اسے دیوتاؤں کے حضور جانا چاہیے اور اپنے بھائی کپور کے راجا بن جانے کی پراگھنا کرنی چاہیے۔

لہذا اس نے سونے کا طباق نکالا، سبھی کے دیے جلا کر طباق میں سجائے، نہا دھو کر خوب صورت لباس پہنا۔ زلفوں میں خوشبو بسائی اور دیوایوں کا طباق اٹھا کر راج مندر چلی گئی۔ راجا کرن اس موقع کی تاک میں تھا۔ وہ راج مندر کے ایک جھروکے میں بیٹھا ہر آتے جاتے کو کھوہ رہا تھا۔ اچانک اس نے دور سے کلپنا کو جھنگاتے ہوئے دیکھے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے آتے دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کلپنا نہیں بلکہ دیوتاؤں کی انمول تخلیق ہے جو قدم قدم پر ستارے اڑاتی چلی آ رہی ہے۔ وہ اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا۔ بے اختیار مندر سے نکلا اور راستے میں جا کھڑا ہوا۔ جونہی کلپنا قریب آئی، وہ اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

”کلپنا! اتنی رات گئے کہاں جا رہی ہو؟“

وہ چھپچھا کر بولی۔ ”مہاراج! آپ کو معلوم ہے آج دیوایی ہے۔ آپ کی نگاہیں لاکھوں چراغوں کو روشن دیکھ رہی ہیں۔ خود میری پتیلی پر دیے جل رہے ہیں۔ میں یہ دیے دیوتاؤں کے چروں میں سجائے جا رہی ہوں۔“

راجا نے کہا۔ ”مگر تم تو خود ایک دیوایی ہو۔ ایسی دیوایی کہ دیوتا بھی تم پر شرا ہو جائیں۔ تمہیں مندر جانے اور پوجا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں تو لاکھوں پجاریوں نے اپنے من مندر میں سجا رکھا ہے۔ خود میں بھی تمہارا پجاری ہوں۔ آؤ، کہ آج کی رات میرے محل میں بسر کرو۔“

بے باک کلپنا نے حقارت سے ایک تہمتہ مارا اور اٹھلا کر بولی۔

”مہاراج! آپ جھوٹے ہیں۔ نہ تو میں دیوایی ہوں اور نہ آپ پجاری۔ میں کلپنا ہوں اور آپ مہاراج۔ چلتے پھرتے نظر آئے اب۔“

کلپنا آگے بڑھی۔ راجا کرن شکار کو ہاتھ سے چاتا دیکھ کر جھلا کر رہ گیا۔ لپک کر آگے بڑھا اور کلپنا کی رشتہ

قلعہ احمد آباد ایک بادوں کا پرستان ہے۔ اسے دیکھ کر ذہن فوراً ماضی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کے در و دیوار پر تاریخ کے اوراق نازل ہو رہے ہیں۔ معلوم نہیں یہ قلعہ کتنے راجاؤں اور بادشاہوں کے زوال و اقبال کی کردوئیں دیکھ چکا ہے۔

قلعے کے اندر ٹپٹپٹ چلتے قدم بہ قدم تاریخ کی کوئی نہ کوئی یاد راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ بلند و بالا دیواروں، بوسیدہ محرابوں، خمیدہ چھتوں اور سسنان درپچوں کو دیکھ کر دماغ مبہوت ہو جاتا ہے۔

قلعے کے طویل و عریض باغوں میں ہوا کے اسرار بھریے سرسراہٹے جھونکے آن بھی داستانیں سناتے ہیں۔ رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ کر بے ساختہ خیال آتا ہے کہ کسی بوڑھی سرزمین کے پیچھے نہ جانے کیسے پری چہرہ لوگ دفن ہیں جو اب پھولوں کی شکل میں سر نکال کر تاریخ کے ویرانے کو حیرت سے تنک رہے ہیں۔

یہ 1295ء کا زمانہ تھا۔ راجا کرن کی حکومت تھی لیکن قلعہ احمد آباد میں راجا کرن سے زیادہ دو بہن بھائیوں کا نام ضرور گونج رہا تھا۔ بھائی کا نام کپور اور بہن کا نام کلپنا تھا۔ شکل و صورت کے لحاظ سے دونوں بہن بھائی جس قدر خوب صورت تھے، عمل کے اعتبار سے اتنے ہی خبیث، بلکہ مشہور ایلیس تھے۔ بھائی فتنہ تھا تو بہن قیامت تھی۔

کلپنا کا اونچا قد، سڈول بدن، سرخ و سفید رنگ، لمبی لمبی بل کھاتی ہوئی زلفیں اور نیتے چمکاتی ہوئی چال سب کے ہوش و حواس لوٹ کر لے جاتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے آتش کدے میں نہ جانے کتنے سوہ ماؤں کے اربابان مجلس چمکے تھے۔ عورت میں حیاء نہ ہونے کی چمکاری بن جاتی ہے۔ کلپنا کو اپنے حسن کا نشہ تو ضرور تھا ہی مگر اس میں حیائیں بھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شعلہ بن گئی تھی۔ ہلاک چالاک اور بے باک تھی۔ وہ کسی کی ہوس کا لقمہ تو نہیں بنی تھی البتہ اسے دوسروں کو سنانے، جھلانے اور تڑپانے میں برا مزہ آتا تھا۔

وہ روز اندر سر شام قلعے کے پائین باغ میں آ جاتی اور مورنی کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلیاں گراتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ بڑے بڑے پنڈت، امیر، وزیر اور راج کمار اسے دیکھ کر دل تھام کر رہ جاتے تھے۔ وہ بھی اپنی لائی لائی پلکیں اٹھا کر پوری مشافی سے نگاہوں کے تیر چلاتی اور دلوں کو جھنجھلی کرتی چلی جاتی تھی۔

راجا کرن کی نظریں ایک مدت سے کلپنا کی طرف لگی ہوئی تھیں مگر وہ بزدل اور عیاش فطرت انسان تھا۔ اپنی

پوشاک ... تمام کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔  
 ”دوبی جی! تمہیں اتنا سنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔ تم  
 کیا جانو دل کی گلی کیا ہوتی ہے؟ میں نے جب سے تمہیں  
 دیکھا ہے، میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جب میرے  
 ہونٹوں نے تمہارے رخساروں کی سیر نہ کی ہو۔ آسمان پر نگاہ  
 ڈالو ذرا ... لاکھوں تارے چمک رہے ہیں۔ زمین پر  
 نظر کرو، بے شمار دیے جل رہے ہیں۔ آج کی رات کتنی روشن  
 ہے۔ میں نے تمہیں بار بار اپنی دلی چندا کے ہاتھ بولا یا مگر تم  
 نہیں آئیں۔ آؤ کہ آج میری آتما کا اندھیرا دور کر دو۔“

کلپنا، راجا کرن کی باتیں سن کر آتما گئی لیکن پھر فوراً  
 ہی اپنی فطرت کے عین مطابق اس کے اندر ایک چلچلکاری  
 چمچی۔ یوں یہ ظاہر اس نے بیزار کن لہجے میں کہا۔  
 ”مہاراج! اپنے ہونٹوں کوئی نیچے۔ آپ تو تجھ جیسی  
 چھوٹی ریاست کے راجا ہیں۔ میں نے تو بڑے بڑے  
 راجاؤں کی محفلیں دیکھی ہیں۔ چوڑا راجا آپ سے زیادہ دولت  
 مند اور طاقتور ہے۔ میں اس کے جھانسنے میں نہیں آتی تو جھلا آپ  
 کے جال میں کس طرح آؤں گی؟ اس سے پہلے کہ میری جوتی  
 آپ کی کھوپڑی جاوے، یہاں اسے غارت ہو جائے۔“  
 راجا غصے کے مارے ہنرک اٹھا مگر پھر مصلحت جان  
 کر سنبھل کر بولا۔

”دوبی جی! زور سے نہ بولو۔ اطمینان سے بات  
 کرو۔ تم تو میری بات کا جواب دینے کے بجائے پتھر مار  
 رہی ہو۔“

”جی ہاں، آپ جیسے باؤ لے کو پتھر نہ ماروں تو کیا  
 سنگ مر مر ماروں؟ اپنی شکل دیکھیے۔ آپ کے بالوں پر سفیدی  
 آگئی ہے مگر دل کی کالک ابھی تک نہیں ملتی۔ آپ کے  
 جڑے پیچھے ہوئے ہیں اور آپ کی بن جیسی آنکھوں میں  
 موتی کا سیرا ہے مگر آپ کو پریم راجا نے کی باتیں سوچ رہی  
 ہیں۔ میری نظروں سے دور ہو جائیے ورنہ شور مچا دوں گی کہ  
 راجا پاپ کرنا چاہتا ہے۔“

راجا کرن خون کے گھونٹ لی کہ وہ گیا اور ہارے  
 ہوئے جواری کی طرح اپنی خواب گاہ کی طرف لوٹ گیا۔  
 درحقیقت وہ کلپنا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ کلپنا کا  
 بھائی کپور اس کا سب سے زیادہ قابل اور جالاک و زر تھا۔  
 فوج کی کمان بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ راجا کو خدشہ تھا کہ کہیں  
 کپور زیادہ طاقتور ہو کر اس کی راجدھانی پر قبضہ نہ کر لے۔

☆☆☆

یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان علاؤ الدین خلجی کی تلوار

موت کی بجلی بن کر سارے ہندوستان پر چمک رہی تھی۔ کپور  
 نے تو راجا کرن کی راجدھانی پر قبضہ نہیں کیا البتہ ایک دن  
 علاؤ الدین خلجی نے سمرات پر لرزہ خیز حملہ کیا۔ یوں راجا  
 کرن کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے فوراً کپور کو طلب کیا  
 اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ترکوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سارے  
 ہندوستان کی زمین دہل رہی ہے۔ مجھے علاؤ الدین خلجی سے  
 اس دن بے دہشت آتی ہے جب میں نے یہ سنا تھا کہ اس  
 نے اپنے چچا جلال الدین خلجی کو خنجر گھونپ کر قتل کر دیا ہے۔“  
 کپور نے راجا کی تائید کی اور کہا۔ ”جی ہاں مہاراج!  
 علاؤ الدین خلجی واقعی خطرناک انسان ہے۔ میں نے اس کی  
 جنگ دلی کے چرچے سنے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں رمضان  
 کا مہینا بہت مقدس مانا جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا پاپی  
 مسلمان بھی رمضان میں برت رکھتا ہے اور کسی کو کوئی اذیت  
 نہیں پہنچاتا کیونکہ علاؤ الدین خلجی مہا پاپی ہے۔ اس نے اللہ  
 آباد میں نین رمضان کے مہینے میں اپنے حسن چچا کو موت  
 کے گھاٹ اتار دیا۔ یہی نہیں مہاراج! جلال الدین خلجی نہ  
 صرف علاؤ الدین خلجی کا چچا تھا بلکہ اس کا سر بھی تھا۔ اس  
 نے اپنی خوب صورت بیٹی سے علاؤ الدین کی شادی خود کی  
 تھی۔ میری معلومات کے مطابق علاؤ الدین خلجی نے اپنی  
 بیوی کو ایک دن بھی سکھائی نہیں رکھا۔ جلال الدین خلجی اور اس  
 کی بیگم دونوں اپنی بیٹی کی مصیبت پر رنجیدہ تھے۔ خاص طور  
 پر علاؤ الدین کی ساس نے اسے بہت سبھا یا مگر اس پاپی نے  
 اپنی ساس کو گولہ چنے مار مار کر نڈھال کر دیا۔ رام

رام۔ مہاراج۔ رام۔ رام۔ علاؤ الدین مہا  
 پاپی ہے۔“ کپور اپنے گالوں پر طمانچے مارنے لگا۔  
 راجا کرن پریشان ہو کے بولا۔ ”لیکن یہ کبخت  
 ہماری راجدھانی پر کیوں چڑھو وڑا؟ میں نے تو سنا تھا کہ وہ  
 چوڑی رانی پدمی کے عشق میں پاگل ہو گیا ہے۔“

کپور جواب میں بولا۔ ”مہاراج! میں نے آپ سے  
 ابھی عرض کی کہ علاؤ الدین خلجی نے اپنی بیوی کو بہت ستایا  
 ہے۔ وہ جرح خوب صورت عورت کو دیکھ کر لٹو ہو جاتا ہے جبکہ  
 اس کی بیوی آہیں بھرتی رہتی ہے۔ اسی بنا پر تو جلال الدین  
 خلجی اس سے عاجز آ گیا تھا۔“

راجا کرن بولا۔ ”کہیں اس کبخت نے ہماری کسی  
 رانی کے حسن کا چرچا تو نہیں سن لیا؟“

کپور بولا۔ ”میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا  
 البتہ یہ یقین ضرور دلاتا ہوں کہ میں صبح اپنا لشکر لے کر علاؤ

جیل کرتے رہیں۔

وہ زمانہ کس قدر مبارک اور کتنا مسعود تھا جب ہر مسلمان اپنے حسن عمل کے اجالے سے دنیا کے کلمت کدوں کو منور کر رہا تھا۔ خلافت راشدہ کا زمانہ انسانیت کی معراج کا زمانہ تھا۔ بعد کو یہ یاد کے عہد حکومت میں اگرچہ اسلام کے اصول سیاست، سنت طیبہ اور خلفائے راشدین کے آداب جہانبانی بھلا دینے گئے تھے اور مسلمانوں میں ملوکیت کی لعنت روح پاگئی تھی لیکن پھر بھی حسن عمل کا جو آثار رسالت مآب ﷺ اور ان کے مقدس جاں نثاروں نے جاری فرمایا تھا، وہ خشک نہیں ہوا تھا۔ ملوکیت کے استبداد کے باوصف مسلمانوں کی خاک میں چنگاریاں دھپک رہی تھیں۔ ہندوستان میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں جبکہ خلافت راشدہ کے عہد سعادت پر سات صدیاں بیت چکی تھیں اور مسلمان امراء ایک دوسرے کی گردن مار کر تخت و تاج پر قبضہ بھانے کی سازشوں میں کم تھے۔ عام مسلمانوں کے دل خوف خدا سے لبریز تھے۔ ان کی راتیں اب بھی یاد الہی میں بسر ہوتی تھیں۔ ان میں نیکی اور بدی کا تصور بہت رائج تھا اور وہ گناہوں سے گریزاں رہتے تھے۔ رات گئے کچھ کپور کے جاسوس خلجی کے لشکر میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے قلعے میں جنگی تیاریوں اور کپور کی منصوبہ بندیوں کا حال دیکھ آتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خلجی بھی ہتھیار بند یوں میں مصروف ہوں گے۔ جس خیے میں نگاہ ڈالی، سرخ و سفید مسلمان مصلے پر بیٹھے اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرتے نظر آئے۔ خدا جانے انہوں نے اس روح پرور منظر کا مفہوم کیا سمجھا۔ بہر کیف انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ لشکر کی قیادت سلطان علاؤ الدین خود نہیں کر رہا بلکہ اس کا جرنیل الف خان گجرات پر دھاوا بولے آیا ہے۔

جب یہ خبر راجا کرن اور کپور نے سنی تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ علاؤ الدین کی عسکری قوت، مہارت اور لیاقت سے بہت خائف تھے۔ اب جو انہوں نے ایک غیر معروف جرنیل کا نام سنا تو ان کے سر دھڑکنا شروع ہو گیا۔ جان پڑ گئی۔

☆☆☆

خلجیوں کے لشکر میں صبح کی اذان ہوئی۔ یہ ایک مقدس بگل تھا جو خدا کی بارگاہ میں حاضری کے لیے بجا تھا۔ ہر سپاہی وضو کر کے بارگاہ الہی میں حاضر ہو گیا۔ الف خان غماز سے فارغ ہو کر ناشتا کر رہا تھا کہ ایک سپاہی نہایت تیزی سے الف خان کے خیمے میں داخل ہوا۔

الدین کی سپاہ پر ٹوٹ پڑوں گا اور بتادوں گا کہ گجرات کی حسیناؤں پریشانی کاغذ کیا ہوتا ہے۔“ یہ سن کر راجا کرن کی جان میں جات آئی۔ اس نے خوش ہو کر کپور کی کمر تھپتھپائی اور دیوان خانے سے واپس چلا گیا۔ راجا توکل میں جا کر سو گیا لیکن کپور کو نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے کمرے میں بے فراری سے ٹھٹھار رہا۔ اس کا فتنہ پرور دماغ علی الصباح خلجیوں پر کاری ضرب لگانے کا منصوبہ سوچ رہا تھا۔

علاؤ الدین کی فوج کے حملے کے بعد احمد آباد کی سرحد سے فرار ہونے والے ہندوؤں کے قافلے دم بدم اندرون شہر آ رہے تھے۔ ان میں جو ہندو ادبچی ذات کے تھے، ان کے لیے راجا کرن نے اپنے قلعے کے دروازے کھول دیے تھے تاکہ وہ بآسانی پناہ لے سکیں۔

اس صورت حال سے یہ دونوں فتنہ پرور بہن بھائی کپور اور کلپنا بے حد پریشان تھیں کیونکہ ان دونوں کی دیرینہ خواہش تو یہ تھی کہ کسی طرح راجا کرن کو قتل کر کے گجرات کی گدڑی سنبھال لیں مگر اب انہیں علاؤ الدین خلجی کے ہاتھوں اپنے ارمان لمبا طٹ ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کپور ٹپٹے ٹپٹے شہم گیا۔ اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر تلوار سنبھال کر تیزی سے اپنی حویلی سے نکل آیا۔ اس نے قلعے کی فصیلوں کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور چند افسروں کو فصیلوں کے کمزور مقامات کو فوری طور پر پختہ کرنے کی ہدایت دی پھر اس نے فوج کا معائنہ کیا۔ ہتھیاروں کی پڑتال کی۔ غلے کی صورت حال دیکھی۔ گھوڑوں کی تعداد گنی اور لشکر کو چکر رہنے کا حکم دے کر اپنی حویلی لوٹ گیا۔ اب اس نے ٹھکانہ گیرانی یعنی خفیہ پولیس کے افسروں کو طلب کیا اور چند تجربہ کار افسروں کو مسلمانوں کا بھیج بدل کر احمد آباد کے باہر خلجیوں کے لشکر میں پہنچنے کا حکم دیا۔ یوں اس نے اچھی طرح تاکید کر دی کہ وہ لشکر میں پہنچتے ہی اہم معلومات اور دشمن کی بنیادی کمزوری کا سراغ حاصل کریں اور بلا تاخیر قلعے کے صدر دفتر پہنچائیں۔

☆☆☆

مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد خدا کی عبادت اور خلق خدا کی خدمت کرنا ہے۔ ابتدائی عہد کے مسلمانوں کی عبادت و ریاضت اور انسانیت کی خدمت کے جو واقعات تاریخ کی زینت ہیں انہیں پڑھ کر روح میں سرشاری، ایمان میں تازگی اور خیالوں میں بالیدگی آ جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے انہی پاک بندوں کا ذکر



تھیں۔ اسی دوران ایک پنڈت نے رائے دی کہ گجرات میں عام لام بندی (فوج کشی، جنگ پر فوج کو لے جانے کے لیے تیار رکھنا) کا اعلان کیا جائے اور ہر بالغ کو جوان فوج میں بھرتی کر کے غلیوں کا مقابلہ کیا جائے۔

پورہ بولا۔ ”پنڈت جی! غلیوں سے جنگ کر کے مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ انہیں میدان میں شکست دینا ناممکن ہے۔ آپ کے ذہن طباع میں کوئی اور تجویز ہے تو بتائیے۔“ گرن کے ایک اور وزیر نے مشورہ دیا کہ اگر غلیوں طاقت کے ذریعے نہیں بھگائے جاسکتے تو پھر انہیں رشوت دے کر لٹا دیا جائے۔ ہمارے ہاں خوب صورت عورتوں، بیش قیمت ہیروں اور سونے چاندی کی کمی نہیں ہے۔ اگر یہ چیزیں غلیوں کے سردار کو دے کر ٹال دیا جائے تو سارے گجرات کی جائیں محفوظ ہو جائیں گی۔

راجا گرن نے اس تجویز کی تحریف کی مگر پورہ نے کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو غلیوں کو دولت کی چاٹ پڑ جائے گی اور پھر وہ دولت کے لالچ میں رہ رہ کر ہم پر حملہ کرتے رہیں گے۔

پنڈت بولا۔ ”شری پورہ جی! آپ کی یہ بات بھی سولہ آئے کھری ہے مگر اب کیا کیا جائے؟“

ایسے میں پورہ نے دور دراز میں کھڑے ہوئے جواب دیا۔ ”میر کی سمجھ میں ایک اور بات آ رہی ہے۔“

راجا گرن اور دیگر باری پور کی طرف ہمہ تن گوش ہو کر دیکھنے لگے۔ پورہ نے کہا۔

”ہمارا قلعہ بے حد کشادہ اور انتہائی مستحکم ہے۔ اگر غلی شہر میں گھس آتے ہیں تو کیا ہوا، ہم قلعہ بند ہو کر غلیوں کا بہت طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ غلہ قلعے میں جمع کر لیا جائے تاکہ پرسد کی کمی کی وجہ سے فوج اور اہل قلعہ کو پریشانی نہ ہو۔ غلی محاصرے کی طوالت سے گھبرا کر خود ہی بھاگ جائیں گے۔ اس کے علاوہ چند ہفتوں بعد برسات کا موسم شروع ہوگا تو غلیوں کے لیے برسات میں ٹھہرنا ناممکن ہو جائے گا۔“

اس کی تجویز کی سب نے حمایت کر دی۔ گرن بڑا خوش ہوا۔ اس نے باشندگان گجرات کو حکم دیا کہ وہ غلے کے ڈھیر فوراً قلعے میں پہنچا دیں۔

محاصرہ طویل ہو گیا۔ کئی مہینے گزر گئے مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ الف خان کو سلطان علاء الدین کی طرف سے سرزنش کے خطوط ٹپاخانے سے آنا شروع ہو گئے۔ قلعہ فی الواقع اس قدر مضبوط تھا کہ اس کے کسی حصے پر حملہ کر کے اسے مسمار کرنا شواہر تھا پھر قلعے کی فصیلیں اتنی اونچی تھیں کہ

اس نے ادب سے سلام کیا اور بتایا کہ میں نے دور سے زبردست خاک اڑتی دیکھی ہے اور کھڑوں کی ٹاپوں کی دھمک سنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمن ہم پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔

الف خان نے اسی وقت لشکر کو تیار کی کا حکم دیا۔ آن کی آن میں تمام سپاہی ہتھیار سجا کر نکل آئے اور راجا گرن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔

الف خان نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور دو گروہوں کو دائیں بائیں ہدایت دے کر روانہ کر دیا اور درمیانی دستے کی قیادت خود منیال کر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ کپور کی فوج نے تیروں کی یلغار شروع کر دی۔

غلی اس اچانک یلغار کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے بہت سے سپاہی ٹوکھا کر گرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر الف خان نے حکم دیا کہ کوئی سپاہی حیر نہ چلائے بلکہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر ڈھالوں پر روکے جائیں۔

غلیوں نے کافی دیر تک یہی عمل جاری رکھا۔ پورہ کی فوج کی تیر اندازی کا مقابلہ وہ ڈھال ہی سے کرتے رہے۔

ادھر جوہی الف خان نے محسوس کیا کہ اب دشمن کے ترش خالی ہو گئے ہیں، اس نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ جواب میں اس کے لشکر نے اس زور سے الف کبھری صدا لگائی کہ دور دور تک ہر تنفس چونک پڑا۔ دشمن کے دل دہل گئے اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے چاروں طرف زندگی اور موت کا مقابلہ ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی چمتی ہوئی تلواروں نے آن کی آن میں دشمن کے ہزاروں سپاہیوں کو قلعہ اجل بنا دیا۔ ادھر سے وہ دستے جو الف خان نے دائیں بائیں دشمن کو گھیرنے کے لیے روانہ کیے تھے، بلائے بے اماں بن کر دشمن پر چھٹ پڑے۔ کپور کو اس جتنی حکمت عملی کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس قدر سراپیمہ ہوا کہ اپنی فوج سمیت واپس بھاگ نکلا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔

مفرور دشمن کے بہت سے گھوڑے، اسلحہ اور غذائی اجناس مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔

☆☆☆

جب راجا گرن نے اپنی فوج کے زخمی سپاہیوں اور شکست خوردہ کپور کو دیکھا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ مسلمانوں سے بچاؤ کی ترکیبوں پر غور کرنے لگا۔

کپور سر بھگائے بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مسلمانوں سے کس طرح جان بچائی جائے۔ راجا گرن کی بدحواسی کا تذکرہ عالم تھا کہ اس کی بھینیں تیز تیز چل رہی

کمند پھینک کر اندر جانا بھی ممکن نہ تھا۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ فصلیوں پر راجا کرن کی انتہائی مضبوط فوج جی بیٹھی تھی۔ تیل کے کڑھاؤ بدوقت کھولتے رہتے تھے۔ جونہی کوئی تفصیل پر کمند ڈالتے اور قلعے میں اترنے کی کوشش کرتا تھا، کرن کے سپاہی اس پر کھولتے ہوئے تیل اور تیروں کی بارش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

الف خان نے اپنے خیمے میں عشا کی نماز پڑھی اور چند فوجی انسروں سے صلاح مشورہ کرنے بیٹھ گیا۔ ان میں ایک افسر بالکل نو عمر تھا۔ وہ مردانہ حسن کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ اونچا قد اور مضبوط بدن اس کی کم سنائی کا راز چھپا رہا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ یہ نوجوان پوری طرح بالغ نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی ڈاڑھی مونچھ سے بھی بے نیاز تھا مگر اس کی بڑی بڑی مستقبل میں جھانک لینے والی آنکھیں حیا کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر جلال و جمال کی شان جلوہ گر تھی۔ اس کی پیشانی کی شکنیں اس کم سنائی میں بھی گہرے غور و فکر کا پتہ دیتی تھیں۔

الف خان نے فردا فردا ہر انسروں سے قلعے کی فتح کے منصوبے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ جب مذکورہ نوجوان کی باری آئی تو الف خان نے اسے نہایت شفقت سے مخاطب کیا۔

”فخر الدین جو نا میں تمہاری نوعمری کے باوصف تمہاری زبردست علمی لیاقت کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں علم کلام، تاریخ، ادب، لسانیات، عمرانیات، طب اور نجوم پر حیرت انگیز مہارت حاصل ہے۔ ہندوستان ہی نہیں ایران، افغانستان اور بلاد عرب کے اساتذہ بھی تمہاری فلسفہ دانی کا لوہا مانتے ہیں پھر تم اپنے بے داغ حسن اور کردار کے باعث بھی ایسے سپوت ہو جس پر ہر مسلمان ناز کرتا ہے لیکن تمہاری تمام خوبیوں کے باوصف میرا خیال ہے کہ تمہیں جتنی چالوں کا تجربہ نہیں ہے۔ عسکری لیاقت حاصل کرنے کے لیے بڑی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ ہم تمہیں تمہارے والد غیاث الدین غلق کی خواہش پر ساتھ لے تو آئے تھے، وہ ہمارے عظیم دوست ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ تم فوجی تربیت بھی حاصل کرلو۔ تم جانتے ہو کہ قلعہ احمد آباد کے محاصرے پر کنافوت غارت ہو گیا ہے۔ اب دو روز بعد ہم اگلے مورچوں پر پہنچ کر فصلیوں پر حملہ کریں گے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ فصلیوں پر متعین دشمنوں کے دستوں کو تباہ کر دیں۔ کمندوں کی مدد سے تفصیل عبور کر کے قلعے میں کود پڑیں اور صدر دروازہ کھول دیں۔ اس طرح

ہماری فوج بے آسانی قلعے میں داخل ہوگی اور گجرات ہمارے زیر نگین آجائے گا۔ یہ ہم نہایت خطرناک ہے۔ ہم تمہیں ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔ تم یہیں قیام کرو۔ غلے، ہتھیاروں اور گھوڑوں کی گنہگاری کرو۔“

جو نا خان اپنے سپہ سالار الف خان کی یہ باتیں نہایت ادب سے سن رہا تھا۔ الف خان بیٹھ برس کا تجربہ کار جرنیل تھا مگر جو نا خان کو اپنے جہاندیدہ سپہ سالار کی کئی باتوں سے اتفاق نہ تھا۔ اس نے متانت سے الف خان کو مخاطب کیا۔

”نعم بزرگوار! میرے والد کرم کے دوست کی حیثیت سے آپ میرے چچا اور سپہ سالار کی حیثیت سے میرے قائد ہیں۔ مجھے حق نہیں کہ آپ سے اختلاف کروں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمیں محاصرہ کیے ہوئے کئی مہینے ہو گئے مگر قلعے کی فتح کے آقا نظر نہیں آتے۔ میں ان سر فر و شوں کو سلام کرتا ہوں جو فوجی فصلیوں تک گئے مگر لوٹ کر نہیں آئے۔ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں تیر کھا کر جان ہینچ دی۔ اب آپ پھر فصلیوں کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں مگر میری پہلی ہونئی آنکھوں کو کامیابی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ مجھے مسلمانوں کی کئی ہونئی گردنوں، چھنی سینوں اور ان کے بہتے ہوئے خون کا قلع ہے۔ اس لیے میں آپ کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جتنی حکمت عملی کا کوئی تجربہ نہیں۔ بظاہر آپ کا ارشاد درست ہے۔ تاہم میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور وضاحت سے بتا سکتا ہوں کہ قلعہ کیوں فتح نہیں ہو رہا۔“

سپہ سالار الف خان علم و فضل کے اس نادر مجسمے کو دم بخود ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے شفقت سے کہا۔

”بیٹا جو نا خان! تمہیں جو کچھ کہنا ہے، بے روک ہو کر کہو۔ یقیناً تم ہم سے عمر میں چھوٹے ہو مگر تمہارے علم کی وسعتیں لامحدود ہیں۔“

جو نا خان بولا۔ ”علم کا اصل مصدر وضع تو رب ذوالجلال کی ذات گرامی ہے۔ وہی الکوئی ہستی ہے جو زمین و آسمان کے تمام علوم اور اسرار درموز جانتی ہے۔ میں اس اور میری حقیقت و حیثیت کیا۔ مجھ جیسے لاکھوں انسانوں کی عقل خدا کے علم کی قدیلوں کے سامنے حیران کن کھڑی گویا آنکھیں مل رہی ہے۔ یہ جو قرآن کریم میں جا بجا عالم الغیب والشہادۃ کے الفاظ ملتے ہیں تو یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تمام علوم کا سرچشمہ قادر مطلق ہے۔ آپ میرے علمی انساب پر میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں تو یہ آپ کا کرم ہے۔ بہر طور، مجھے یہ عرض کے آغاز سے پہلے کسی دلربا مقصد

ہوئی۔ اس کے چہرے پر ناوقت کی بیداری اور ناگواری بول رہی تھی۔

جونا خان بڑھیا کو دیکھ کر سنبھل گیا۔ اسے مسکرت پر پورا عبور حاصل تھا۔ وہ واں واں مسکرت میں بولا۔

”ماتا جی! میں اس بستی کے کمینوں کو خبردار کرنے آیا ہوں۔ مسلمانوں نے عقی بستیوں پر حملہ کر دیا ہے۔ آپ لوگ خطرے کی زد میں ہیں۔ جلد از جلد یہاں سے نکل چلیے۔ قلعے میں پناہ بھیجیے ورنہ مسلمان فوج آپ کو لوگوں کو گیارے کوڑوں کی طرح روند ڈالے گی۔“

یہ سن کر بڑھیا پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ جونا خان کو دعائیں دیتے ہوئے بولی۔

”بیٹا! بھگوان جہاری آتما سہی رکھے۔ تم نے اچھا کیا جو مجھے جگا اور بتایا۔ میری جوان بنیاں ہیں۔ وہ میری عزت اور میری غیرت ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ مسلمان میری غیرت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں۔ میں ابھی اپنی بچیوں کو اٹھا تی ہوں اور قلعے میں چلتی ہوں۔“

جونا خان اپنے منصوبے کی ابتدائی کڑی کو کامیاب ہوتے دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے یہی عمل بستی کے بہت سے مکانوں پر دہرایا۔ جب کافی تعداد میں مرد عورتیں اور بچے اکٹھے ہو گئے تو جونا خان ان کے ساتھ مل کر قلعے کی طرف چل پڑا۔

اس کے بعد جب یہ حواس باختہ قافلہ قلعے کے دروازے پر پہنچا تو پہریداروں نے کڑک کر پوچھا۔ ”تم لوگ کس لیے آئے ہو؟“

سب لوگ بیک آواز چلائے۔ ”دروازہ فوراً کھول دو۔ مسلمانوں نے ہماری بستی پر حملہ کر دیا ہے۔ اب ہم اپنی اور اپنے بچوں کی جان بچانے آئے ہیں اور قلعے میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔“

پہریداروں نے بلا تعویق و تاہل دروازہ کھول دیا۔ یوں جونا خان بھی دیگر ہندوؤں کے ساتھ مل کر قلعے میں داخل ہو جانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ صورت دیگر آگرہ و اکیلا قلعے میں جانے کی کوشش کرتا تو شاید کامیاب نہ ہوتا۔

☆☆☆

جونی جونا خان، قلعے کے اندر پہنچا، اسے قلعے سے باہر مسلمانوں کے لشکر سے فوج کی اذان سنائی دی۔ اب جونا خان شکنجے میں بڑ گیا۔ نماز ترک کرنا اس کے لیے نہایت شاق بات تھی مگر قلعے میں نماز ادا کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں جو بھی دیکھتا وہ لازماً اسے مسلمانوں

کا تعین ضروری ہے تاکہ انسان اس کے پیچھے والہانہ دوڑ سکے پھر مقصد کے حصول کے لیے حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی اور پرجوش عمل درکار ہوتا ہے۔ اب جہاں تک ہمارے مقصد کا تعلق ہے، وہ یقیناً مبارک ہے۔ ہم قلعہ فتح کر لیں گے تو گجرات کے منم کدوں میں توحید کی اذانیں گونج اٹھیں گی لیکن ہر دست آپ کی منصوبہ بندی حقیقت سے بعید ہے۔ میں قلعے کی فلک بوس فصیلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ آپہیں کمندوں سے زیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے طاقت سے زیادہ سیاست اور فراست کی ضرورت ہے لہذا میں عرض کروں گا کہ فصیلیوں پر حملے کا خیال ترک کر دیجیے اور قلعے پر چڑھنے کی مہم میرے حوالے کیجیے۔“

الف خان نے چند لمحوں کے لیے پرسونج خاموش اختیار کیے رکھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نو جوان جونا خان عالم ضرور ہے مگر اسے جنگی چترے بازیوں کی کیا خبر۔ غریب نا تجربہ کار ہے۔ جنگ کو بھی صفیہ قرطاس پر گھڑی لکیروں کی طرح سمجھ ہوئے ہے۔ شمشیر و سناں کی جھکاؤ کو صریح قلم گردانتا ہے۔ ابو کے اچھلنے کو روشنی خیال کیے ہوئے ہے۔ بہر کیف اس نے فصیلیوں پر حملہ کرنے کا اپنا منصوبہ بدلا نہیں اور اسے برقرار رہنے دیا کیونکہ اسے جونا خان کی باتوں سے اتفاق نہیں تھا۔

ادھر جونا خان کو افسوس تو ہوا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے الف خان کو ادب سے سلام کیا اور اپنے خیمے کی طرف لوٹ آیا۔

☆☆☆

رات ڈوب رہی تھی۔ تارے چمک چمک کر جونا خان پر فخر کر رہے تھے۔ وہ مصلے پر قبیلہ رو بیٹھا اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف تھا۔ اس کے حسین و جمیل چہرے کی فضا میں آکوٹھی۔ اس نے اپنے خفیہ منصوبے کی کامیابی کی دعا مانگی۔ ہندووانہ لباس پہنا۔ ماتھے پر تشو رکھ دیا، نعل میں خنجر چھپایا اور چپ چاپ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

تھوڑے لمحوں کے بعد جیتے جیتے ہوں گے کہ اس کا گھوڑا افرائے سمیرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ ایک طویل چکر کاٹ کر قلعے کی عقی بستی میں جا پہنچا۔ بستی میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ دیا اور قلعے میں پیدل چلنے لگا۔

اس نے کئی اونچے نیچے مکانوں کو غر جیس نظروں سے دیکھا اور پھر ایک بڑی حویلی کا دروازہ ٹھکٹانے لگا۔ دروازہ بہت جلد ہی کھل گیا۔ ایک بوڑھی عورت نمودار



کا جاسوس سمجھ کر قتل کر دیتا۔

اسی شش و پنج میں وہ اس قافلے سے بچھڑ گیا جسے وہ

چکا کر قلعے میں لایا تھا۔ اچانک سے ایک گوشے میں کھتا باغ نظر آیا۔ اگرچہ صبح کی ہلکی ہلکی سفیدی پھوٹ رہی تھی مگر پھر بھی جیسے اندھیا رے کی چادر پوری فضا پر تھی ہوئی تھی۔ جو نا خان چیز سی باغ میں پہنچا۔

اب یہاں اسے درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ نماز پڑھنے کے لیے اسے جھنڈ کی درمیان جگہ موزوں معلوم ہوئی

مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وضو کے لیے پانی کہاں تلاش کیا جائے۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ قلعے میں پانی کے کنوئیں کن کن مقامات پر واقع ہیں۔

تب ہی اس نے قرآن کریم کی آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”پس اگر تمہیں پانی دستیاب نہ ہو تو پاکیزہ مٹی سے تیمم کرو۔“

اس نے ایک جھاڑی کے قریب مٹی کھودی اور تیمم کر کے درختوں کی اوٹ میں نماز پڑھ لی۔ اس نے دعا مانگی کہ خدا اسے اس کے منصوبے میں کامیاب کرے اور الف خان فضیلوں پر حملہ کرنے کا ارادہ موخوف کر دے۔

☆☆☆

عجیب اتفاق تھا کہ یہ ہولی کا دن تھا۔ جو نا خان نماز کے بعد درختوں کے جھنڈ سے نکلا تو صبح مسکرا رہی تھی۔ باغیچے کی کیاریوں میں خشک ہوا پھولوں سے اس طرح اکھیلیاں کر رہی تھی جیسے کوئی ماں اپنے شیر خوار بچوں سے کھیل رہی ہے۔ باغیچے سے باہر نکل کر جو نا خان نے اپنی نظریں قلعے کے چاروں طرف دوڑائیں۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ آج ہولی کا دن ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جا بجا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی آتی جاتی ٹولیوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ اسے زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہوا کہ عین حالت جنگ میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں قلعے کا ایک دوسرے پر ناشائستہ فقرے کس رہے ہیں۔

نوجوانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنے بیچانی جذبات کا شکار ہوتے ہیں۔ دل چیکو نوجوان مدت سے ہولی کے تہوار کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی منظور نظر لڑکیوں پر رنگ چیکنے اور دل لگی کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

قلعے میں جا بجا پناہ گزنیوں کے خیمے تھے ہوئے تھے۔ بڑی بوڑھیاں اپنے بچوں کو ان سے پرارتنا کر رہی تھیں

کہ وہ اور ان کے بچے مسلمانوں کے حملے سے محفوظ رہیں لیکن نوجوانوں کو قطعاً احساس نہ تھا کہ ان کی گردنوں پر شمشیریں لہرا رہی ہیں۔

جو نا خان قلعے میں چلا تو آیا تھا مگر وہ زاہد راہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ اب سورج پوری طرح چمکنے لگا تھا۔ ادھر اس کے معدے میں بھوک بھی کھیلانے لگی تھی۔ اگرچہ اس کے پاس طلائی سکے موجود تھے مگر قلعے میں خرید و فروخت کا کوئی موقع نہ تھا۔

ہولی کی مناسبت سے خیموں میں جا بجا حلوا پوریاں اور پنچھی ترکاری تیار ہو رہی تھی۔ جو نا خان کو اکیلے چلتے پھرتے دیکھ کر قہر میں خیمے سے کسی نے پکارا۔

جو نا خان ادھر ادھر متوجہ ہوا تو وہ ایک نوجوان لڑکی تھی جو گزشتہ رات جو نا خان کے ساتھ ہی قافلے میں شریک ہو کر قلعے میں داخل ہوئی تھی۔ اسے جو نا خان بہت اچھا لگا تھا۔ وہ قریب پہنچا تو لڑکی نرمی سے بولی۔

”زانیہ کو آپ ہمیں ایک بڑے خطرے سے بچا کر اس قلعے میں لائے تھے۔ آپ کے احسان کے لیے میرا دل آپ کا ممنون ہے۔ آج ہوئی ہے۔ مجھے آپ اچانک نظر آئے۔ آئیے حلوا پوری کھا لیجیے۔“

جو نا خان چاروں طرف سے جن حالات میں گھرا ہوا تھا، ان کے پیش نظر اسے یہ پیشکش بہت غنیمت معلوم ہوئی مگر اس نے اپنا دوا کو ملحوظ رکھ کر معذرت کی۔

لڑکی بولی۔ ”جی ہاں! شکل و صورت سے تو آپ کوئی راج کمار لگتے ہیں۔ ہم جیسے غریبوں کی حلوا پوری آپ کو کیوں اچھی لگنے لگی؟“

جواب میں جو نا خان نے کہا۔ ”شریمتی! آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں، وہ غلط ہے۔ میں چونکہ دورِ سرحد سے یہاں پناہ لینے آیا ہوں اس لیے اس قلعے میں بیگانہ ہوں۔ چاہتا ہوں کہ پہلے اپنے قیام کا معقول انتظام کر لوں پھر کچھ کھانے پینے کی فکر کروں۔“

یوں اس نے گویا بات بنانے کی کوشش چاہی تھی اور آگے بولا۔ ”چونکہ راجا کرن کے بعض وزیر کے ٹھکانے کسی طرف ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“

اس لڑکی نے اسے خوب صورت نوجوان سے اس قدر مہذب گفتگو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نے متاثر ہو کر بائیں جانب عمارتوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ راجاؤں، وزیروں اور امیروں کا قیام انہی حویلیوں میں ہے۔ ادھر چلے جائیے مگر آئیے، اس وقت تھوڑی سی حلوا پوری تو ضرور کھائیے۔

یہ کلپنا تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ خوف و دہشت تلے اڑ گیا تھا۔ سانس بھی اکھڑ گیا تھا۔ آنکھیں وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی رگوں سے زندگی کی نفی چھن گئی ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ حویلی میں رجواڑوں کی لڑکیاں ہولی کھیل رہی تھیں۔ یہ سب کلپنا کی سہیلیاں تھیں۔ کلپنا چاہتی تھی کہ حویلی سے باہر نکل کر قلعے کے کھلے میدان میں ہولی منائی جائے لیکن اس کی اوچی ذات کی سہیلیوں کو عام ہندو لڑکیوں اور لڑکوں کے ساتھ مل کر ہولی منانا گوارا نہ تھا۔ انہوں نے کلپنا سے اصرار کیا کہ حویلی ہی میں ہولی کھلی جائے۔ وہ نہ مانی اور اپنے رنگ اور پچکارے لڑکیوں کی چھت پر جا بیٹھی۔

اس کی سہیلیاں اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے چھت پر جا پہنچیں۔ کلپنا انہیں دیکھ کر بے تحاشا بھاگ کھڑی ہوئی۔ سہیلیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اچانک بھاگتے بھاگتے کلپنا کا پاؤں چھت کے کنارے سے پھسل گیا اور وہ دھڑام سے گر پڑی مگر جوتا خان اس کے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا۔ کلپنا کی سہیلیوں نے اسے گرتا دیکھا تو ان پر سراسیمگی چھا گئی۔ وہ نہایت بدحواسی سے حویلی سے نیچے اتر آئیں۔ یہاں انہوں نے کلپنا کو جوتا خان کی آغوش میں دیکھا تو شرمیلیں۔ تاہم انہوں نے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔

ادھر کلپنا کے حواس بحال ہوئے تو اس نے گہری نگاہ سے جوتا خان کے سراپا کا جائزہ لیا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے دل کا سکون ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ خوب صورت، لمبے چوڑے اور بردبار جوتا خان پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی متاثر ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے یہ نوجوان انسان نہیں، حسن اور وقار کا دیوتا ہے۔ جوتا کاش سے دھرتی پر اتر آیا ہے۔

کلپنا کی سہیلیاں بھی جوتا خان کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ گجرات میں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت نوجوان تھا مگر ان سب کی خوب صورتی جوتا خان کے آگے ماند پڑتی تھی۔

حویلی کے در و بام سے کلپنا جیسی دلکش اور نوجوان لڑکی کا اچانک گرنا اور جوتا خان کا لپک کر اسے سنبھال لینا اس قدر فوری اور بے ساختہ واقعہ تھا کہ جوتا خان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا مگر جوتا بدھ پیش آیا تھا، اب اس میں وہ اپنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس نے یک بیک کلپنا سنیت تمام لڑکیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

آج بھاگوان دن ہے۔ میرا دل نہ توڑیے۔“

جوتا خان یہ غصا نہ پیش مسترد نہ کر سکا۔ اس نے میرا ہو کر حلو پوری کھائی اور اپنی لڑکی کا شکر ادا کر کے چل دیا۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر اس نے قلعے کے چاروں کونے دیکھ ڈالے۔ اس کا ذہن تیزی سے ایسے مقامات کا کھوج لگا رہا تھا جو نہایت کمزور ہوں اور جہاں اوسط درجے کے حملے سے زیادہ جتنی کامیابی حاصل کی جاسکے۔

اب یہاں ایک طرف تو وہ اس اوچیز بن میں تھا اور دوسری طرف قلعے میں چاروں طرف رنگ برنگ پچکاریاں چل رہی تھیں۔ ڈھولک بج رہے تھے، جوان لڑکے اور لڑکیاں خوشی کی گیت گانے لگا کر ناچ رہے تھے اور ایک دوسرے پر رنگ برسا رہے تھے۔

جوتا خان کو ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی البتہ نوجوان جوتا خان کو مقامی لڑکیاں دیکھ کر پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ گجرات کا حسن کس قدر خطرناک اور آنکھوں میں کعب جانے والا ہے۔ یہ خیال اسے چند لمحوں کے لیے لپکا مگر فوراً ہی نابود ہو گیا کیونکہ حسین چہرے، لہراتے ہوئے آنکھیں، اڑتی ہوئی زلفیں اور بکھرے ہوئے رنگ اس کا مشن بہر حال نہیں تھے۔ اس کا مشن تو مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے ان اوچی حویلیوں کی طرف جاکھلا جہاں بڑے بڑے وزراء اور راج مار رہے تھے۔ یہاں ایک حویلی کے ارد گرد اوچی نشست کے چبوترے پر سنگ مرمر کا ایک دل آویز مجسمہ بنا ہوا تھا۔ یہ سیتا کا مجسمہ تھا جو کسی مجسمہ گر کی فنی قدرت کی گواہی دے رہا تھا۔

توحید کے امین جوتا خان نے یونان کے فلسفے کے ساتھ ساتھ علمِ اہنام بھی پڑھا تھا۔ اب کتابی علم کے بجائے اسے کسی ہندو منہم گر کا شاہکار نظر آیا تو وہ ششدر رہ گیا۔

اس مجسمے میں صرف روح کی کئی تھی ورنہ دور سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دو دھیا سیتا کے لبوں میں ابھی جنبش پیدا ہوگی اور وہ بول اٹھے گی۔ جوتا خان اس حیرت انگیز مجسمے کو اچھی طرح سے دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ دفعتاً اسے حویلی کی چھت سے سیکڑوں نسوانی قہقہے سنائی دیے۔ اس کی نظریں بے اختیار حویلی کی اوچی اوچی دیواروں کا تعاقب کرنے لگیں۔

اسے محسوس ہوا جیسے حویلی کی چھت پر بہت سی لڑکیاں پوری قوت سے بھاگ رہی ہیں۔ آن کی آن میں ایک لڑکی چھت کی بلند یوں سے گر کر نظر آئی۔ جوتا خان تیر کی طرح لپکا۔ اس سے پہلے کہ لڑکی زمین پر گر کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی، جوتا خان نے اسے اپنی کڑیل ہانہوں میں سنبھال لیا۔

”رہوں گی۔“

جو خان مصلحتاً مسکرایا۔ تاہم وہ دل ہی دل میں پریشان بھی ضرور ہوا کہ اس لڑکی کو کون سا فرضی نام پتا بتائے؟ اسی شش و پنج میں اس نے کلپنا سے کہا۔

”کلپنا تم اپنا نام بتاؤ۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”کلپنا۔ نام ہے میرا۔ میں

گجرات کے پردھان متزی شری کیوڑی بہن ہوں۔“

یہ سن کر جو خان ستائے میں آگیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ لڑکی تو بڑے کام کی ہے۔ کیوں نہ اس سے کوئی اہم بات معلوم کی جائے۔ اب اس نے سنبھالا لیتے ہوئے نہایت احتیاط سے بات چیت شروع کر دی۔

کلپنا نے کہا۔ ”مگر آپ بھی تو اپنا نام بتائیے۔ آخر آپ کہاں سے آئے ہیں؟ مجھے تو آپ کسی ریاست کے راج کمار معلوم ہوتے ہیں۔“

تب تک جو خان اپنا فرضی نام سوچ چکا تھا۔ اس

نے ہنس کر کہا۔ ”میرا نام سندھ رام ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ

مسلمانوں نے احمد آباد کی سرحد پر حملہ کر دیا تھا۔ میرے گھر والے اس ہولناک حملے میں مجھے سے بچھڑ گئے۔ معلوم نہیں مسلمان قیدی بنا کر انہیں لے گئے ہیں یا انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ بہر حال میں پتا لینے کے لیے قلعے میں مقیم ہوں اور اب یہاں میری آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔“

کلپنا نے جو خان سے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔

دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ اثنائے راہ سورج غروب ہو گیا اور شام کے سرمئی سائے منڈلانے لگے۔ کلپنا کا دل چاہتا تھا کہ وہ جو خان سے زندگی بھر باتیں کرتی رہے۔ جو خان بھی گویا سوچ رہا تھا۔

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

اس کے دل میں آئی کہ کلپنا سے قلعے کی مخصوص باتیں

اور ہندوؤں کی جنگی تیاریوں کا حال کسی نہ کسی ڈھنگ سے

معلوم کرے مگر اس نے سوچا کہ آج اس لڑکی سے ملاقات کا

پہلا دن ہے۔ ابھی اس کی طبیعت پر مزید رنگ جانا چاہیے

کیونکہ فوری طور پر جنگی اسرار و رموز کی باتیں کی گئیں تو ممکن

ہے لڑکی میں کھٹک پڑ جائے۔ وہ اسے اپنی طرف سے کسی

تشکیک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا لہذا جو خان نے انچانک

اپنے خیالوں کا رخ پلٹ لیا اور کلپنا سے کہا۔

”اچھا تمہارے اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ شام

”مجھے آج ایک خوب صورت زندگی بچ جانے سے مسرت ہوئی ہے۔ خوشی ہو یا غمی، انسان کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے۔“

یہ جملہ کہہ کر جو خان نے اپنے قدم بڑھا دیے لیکن بے باک کلپنا نے اختیار آگے بڑھی اور جو خان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی۔

”میں آپ کی ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔ آج آپ نہ ہوتے تو میں آج ارجھی بن جاتی۔ آپ یقیناً کوئی دیوتا ہیں۔ دیکھیے، ابھی نہ جانے۔ میں آپ کے اعزاز میں دعوت دینا اور آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ میری دعوت قبول کر لیجیے۔“

جو خان کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے جواب میں کہا۔

”آپ نے مجھے دیوتا بنا کر میرے شرف کی توہین کی

ہے۔ میں دیوتا نہیں انسان ہوں۔ میں آکاش کا نہیں اسی

دھرتی کا باشندہ ہوں۔ انسان بننا اور انسانیت کے تقاضوں کو

ذمے داری سے پورا کرنا دیوتاؤں کے نامعلوم کردار سے

کہیں زیادہ عظیم الشان کام ہے۔ لہذا مجھے انسان ہی

تصور کیجیے۔ رہی آپ کی پیشکش کہ میں آپ کی دعوت قبول

کر لوں تو انفس ہے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ تاہم میں وعدہ

کرتا ہوں کہ بشرط فراغت آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔“

یہ کہہ کر جو خان تیزی سے چل دیا لیکن اب کلپنا کے

دل کا دامن جو خان کے کیسوؤں میں انک جچا تھا۔ جو خان کا شائستہ لب و لہجہ اور اس کی دانش مندانہ باتیں کلپنا

کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئیں۔ وہ دیوانہ وار آگے

بڑھی اور جو خان کا تعاقب کرتی چلی گئی۔

کلپنا کی سہیلیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو ایک دوسرے

سے اشاروں میں باتیں کرنے لگیں۔ ایک چٹیل لڑکی نے کہا۔

”لو بھئی، اب مغرور کلپنا کا کام تمام ہو گیا۔ وہ اس

اجنبی کو دل دے بیٹھی ہے۔ دیکھو تو سب کیسی دیوانگی اور خود

فراموشی سے فوجان کے پیچھے پیچھے اڑتی چلی جا رہی ہے۔“

دوسری لڑکیوں نے یہ بات سن کر زبردست تہقہہ مارا

اور اپنی اپنی حویلیوں کی طرف بھاگ گئیں۔

ادھر کلپنا کو اپنا تعاقب کرنا دیکھ کر جو خان جھلا گیا۔

اس نے درسی سے پوچھا۔

”آپ میرا تعاقب کیوں کر رہی ہیں؟“

وہ بولی۔ ”جب تک مجھے اپنے سن کا نام پتا معلوم

نہیں ہوگا، میں دھرتی کے آخری سرے تک تعاقب کرتی

کلپنا آگئی ہے۔ اس نے جلدی جلدی دعا ختم کی اور دبے پاؤں جھنڈ سے باہر نکل آیا۔

کلپنا کیماریوں کے ساتھ ساتھ بے تابی سے ٹہل رہی تھی۔ جو بھی اس کی نظر جوتا خان پر پڑی، اس کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جوتا خان نے کہا۔ ”مختہ مدھی! دیکھیے میں اپنے وعدے کے مطابق بروقت آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں۔“

اس پر کلپنا نے جواب میں کہا۔ ”آپ کا بہت بہت شکریہ! وعدہ وفا کی دیوتاؤں کا شیوہ ہے۔ آپ کی اچھائی اور بڑائی میں کیا شک ہے۔ میں توکل ہی آپ کے چہرے کی فضا دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ آپ یقیناً کوئی راج کمار ہیں۔“

جوتا خان نے کہا۔ ”مختہ مدھی! میری سب سے جات تعریف نہ کیجیے۔“

وہ دونوں باغیچے کی ہری بھری گھاس پر ٹہل رہے تھے۔ کلپنا نے ایک گوشے میں اپنی طلائی پاپوش اتار دی۔ اسے گداز گھاس پر ننگے پاؤں ٹھکانا بہت بھلا لگتا تھا۔ دونوں ٹھٹکتے جاتے تھے اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ اسی چہل قدمی کے دوران اچانک کلپنا کے پاؤں میں کوئی ٹھیکلا کاٹنا چھ گیا۔ اس کے حلقے سے بھی سی پیچ بھری اور باغ کی ٹھنڈی اور سسنان تاریکی میں تحلیل ہو گئی۔

جوتا خان نے پوچھا۔ ”کلپنا! کیا ہوا؟“

اس نے اپنے پیر کی طرف جھٹتے ہوئے بتایا کہ کاٹنا چھ گیا ہے۔ جوتا خان فوراً گھاس پر بیٹھ گیا۔ کلپنا کو بھی ساتھ بٹھالیا۔ گہری تاریکی کی وجہ سے جوتا خان کو کاٹنا نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی انگلیوں کی مدد سے دھیرے دھیرے کلپنا کے تلوے میں کاٹنا تو لٹا رہا۔ جونہی اڑی کے رخ پر چھو ہوا کاٹنا جوتا خان کی انگلیوں سے نکل آیا، اس نے کانٹے کو جڑ سے نکال پھینکا اور کلپنا کو فوراً قرار کیا۔

خوب رو جوتا خان جب کلپنا کی پنڈلی تمام کر اس کے تلوے سے کاٹنا نکال رہا تھا، کلپنا مکمل خود سپردگی اور خود فراموشی سے اس کا چہرہ ننگے جاتے جاتی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جوتا خان کی خوش رنگ، گداز اور شفا بخش انگلیاں اس کے تلوے کے بجائے اس کے دل کے کانٹے چن رہی ہیں۔ یوں تو اس نے سینکڑوں نوجوان دیکھے تھے مگر وہ کسی کی آغوش کی رونق نہیں سمجھتی تھی۔ اب اسے جوتا خان جیسے گوش اور کزلیں نوجوان کی قربت نصیب ہوئی تو اس کے دل و دماغ کے تار اس طرح جھنجھٹا اٹھے کہ اس کی پوری ہستی تروبالا ہو کر رہ گئی۔

خاموشی، تنہائی اور تاریکی نے باحول کو آغشتہ بحر

پڑنے لگی ہے۔ آپ کے گھر والے آپ کے منتظر ہوں گے۔“ کلپنا کا دل بے طرح دھڑکنے لگا۔ اس پر بے اختیار سی طاری رہی۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں پوچھا۔

”سندر رام! اب آپ کب ملیں گے؟“

جوتا خان نے جواب میں کہا۔ ”کل اسی وقت اسی باغیچے میں۔“

کلپنا جیسے اپنے لرزے دل پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ”ضرور آئیے گا۔ میرا دل اور میری آنکھیں آپ کی منتظر رہیں گی۔“

جوتا خان نے جواب دیا۔ ”میں یقیناً آؤں گا۔“

☆☆☆

جوتا خان نے درختوں کے مخصوص جھنڈ میں مغرب کی نماز ادا کی۔ وہ ظہر اور عصر کی نماز بھی اسی جھنڈ میں پڑھنے آیا تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے کلپنا سے پیاس کی شدت اور پانی پینے کا بہانہ تراشا تھا۔

نماز کے بعد وہ اسی باغیچے میں ٹھلٹا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ عشا کی نماز پڑھ کر کسی خیمے میں رات بسر کر لے۔

کچھ دیر بعد عشا کی نماز سے فارغ ہو کر وہ اسی خیمے کی طرف چل دیا جہاں ایک اجنبی ہندو لڑکی نے اسے حوالہ پوری کھلائی تھی۔ وہ لڑکی جوتا خان کی غیر متوقع آمد پر بہت خوش ہوئی۔ جیسا کہ مذکورہ ہوا وہ اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ پناہ گزین تھی۔ اس نے اپنے والدین کو بتایا کہ یہ نوجوان ہمارا محسن ہے۔ یہی ہمیں ہستی سے جگا کر لایا تھا۔

لڑکی کے والدین نے جوتا خان کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔ ”آپ کس لیے آئے ہیں؟“

جوتا خان نے کہا۔ ”رات آپ کے خیمے میں بسر کرنی مقصود ہے کیونکہ ابھی قلعے میں میرے قیام کا کوئی انتظام نہیں ہے۔“

لڑکی کے والدین نے بہ خوشی اسے اپنے خیمے میں ٹھہرا لیا۔

علی الصباح جونہی مسلمانوں کے لشکر سے اذان کی آواز آئی، جوتا خان اٹھ کھڑا ہوا اور اسی مرغوب جھنڈ کی طرف چلا گیا جو اس کے لیے مسجد کا کام دے رہا تھا۔

آج جوتا خان دن بھر ٹھلٹا رہا اور آتے جاتے در دیدہ نظروں سے قلعے کے دروازوں کا جائزہ لیتا رہا۔

جب شام ہوئی تو اس نے باغیچے میں پہنچ کر درختوں کے مخصوص جھنڈ میں مغرب کی نماز پڑھی۔ ابھی وہ دعا مانگ رہا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ

ہاتھوں یہ قوم اپنی عظمتوں سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔“  
 کلپنا کو مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ اپنے محبوب  
 کی زبان سے مسلمانوں کی تعریف برداشت نہ کر سکی۔ تڑپ  
 کر بولی۔ ”نہیں، نہیں۔ مسلمان اچھی قوم نہیں ہیں۔ وہ باپانی  
 ہیں، خونی ہیں، ملیچھے ہیں۔ انہوں نے میرے ارمانوں کے  
 خزانے میں آگ لگا دی ہے۔“

جونا خان، کلپنا کے یہ جملے سن کر چونک پڑا۔ اس نے  
 دھیمے۔۔۔ لہجے میں کہا۔

”کلپنا! آپ عجیب باتیں کر رہی ہیں۔ اس میں شک  
 نہیں کہ مسلمانوں نے ہم پر حملہ کیا ہے اور ہماری دھرتی کے  
 امن کو درہم برہم کر دیا ہے۔ وہ اچھی قوم ہیں یا نہیں، اس  
 بحث میں کون پڑے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ انہوں نے  
 آپ جیسی خوب صورت و دنیوہ کے کون سے ارمانوں میں  
 آگ لگا دی ہے؟“

کلپنا پہلی مرتبہ اپنے محبوب کے منہ سے اپنی تعریف  
 سن کر جنموں لگی تو یوں تھوہ عالم سرشاری میں بولی۔ ”اے  
 آکاش کے دیوتا! میں آپ سے پریم کرنے لگی ہوں۔ اس  
 لیے آپ سے کوئی راز چھپانا نہیں چاہتی۔ آپ نے راجا  
 کرن کی شہرت تو سن رکھی ہوگی۔ وہ ایک نالائق، بزدل اور  
 عیاش آدمی ہے۔ میں بتا چکی ہوں کہ میرا بھائی کپور گجرات  
 کا پردھان منتری ہے۔ میری اور کپور کی دیرینہ تمنا تھی کہ  
 کسی طرح ہم راجا کرن کو ٹھکانے لگا دیں تاکہ میرا بھائی  
 کپور راجا بن جائے اور میں دھوم دھام سے اپنے خیالوں  
 کے کسی پریمی سے شادی کروں۔ میں اور کپور، راجا کرن کو  
 موت کا مزہ چکھانے کی تیاری کر رہی رہے تھے کہ مسلمانوں  
 کے حملے سے ہمارے سنہری خواب بکھر گئے۔ اب رام  
 جانے موجودہ جنگ کا انجام کیا ہوگا؟“

جونا خان نے اداکاری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے  
 کانوں کو ہاتھ لگا لیا اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کلپنا سے کہا۔  
 ”یہ تو واقعی اچھی بات نہیں ہوئی۔ بہر حال تمہارا بھائی راجا بتایا  
 نہ بتا، تمہیں شادی ضرور کر لینا چاہیے۔“  
 کلپنا نے کہا۔ ”میں شادی کس طرح کرتی۔ گجرات کا  
 کوئی راج کمار میری ذہنی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ مجھے  
 یہاں کوئی نوجوان پسند نہیں آیا۔“

جونا خان گفتگو کے اس پہلو سے دامن چھڑانا چاہتا  
 تھا۔ وہ کلپنا کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس لیے  
 اس نے فوری طور پر بات کا رخ بدل دیا اور کہا۔ ”اچھا کلپنا!  
 فرض کرو اب مسلمان قلعہ فتح کریں تو تم کیا کر دو گی؟ کہاں

بنادیا تھا۔ بے اختیار کلپنا نے پھر بری لی اور اپنی انگلیوں  
 سے جونا خان کے گیسو سوارے لگی۔

نوجوان، لڑکیوں کے تعاقب میں ہرن کی طرح  
 بھاگتے ہیں مگر یہاں معاملہ الٹا تھا۔ یہاں کلپنا طالب بھی اور  
 جونا خان مطلوب تھا۔ یہاں حسن و خوشی کے پیچھے والہا نہ دوڑ  
 رہا تھا۔ حسن و شباب کی وہ تمام سرمستیاں جن کی تمنا کی جاتی  
 ہے مگر وہ ہاتھ نہیں آتیں، جونا خان کے قدموں پر جھک گئی تھیں  
 لیکن یہ کسی عظمت اور عزیمت کا مقام ہے جو جونا خان کے  
 حصے میں آیا۔ اس کا دل ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ڈگدگا یا۔

وہ دور خلاؤں میں نظریں جمائے شکر بیٹھا تھا۔ اسے  
 رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کہیں الف خان فیصلوں پر حملہ نہ  
 کر دے ورنہ بے شمار مسلمانوں کا خون رائگاں جائے گا۔ وہ  
 سوچ رہا تھا کہ ہر راجا یا بادشاہ اپنے قلعے میں چور دروازہ  
 ضرور بنواتا ہے تاکہ جب بھی نازک موقع آئے، فرار کا  
 راستہ کھلا رہے۔ یقیناً اس قلعے میں بھی کوئی نہ کوئی چور  
 دروازہ ضرور ہوگا۔

اس کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح ایسے چور دروازے کا  
 سرا مل جائے اور وہ جان چھپی پردھ کر خفیہ طور پر دروازہ  
 کھول دے تاکہ مسلمان یہ آسانی قلعے میں داخل ہو سکیں اور  
 وسیع پیمانے پر شہت و خون سے بچ جائیں۔

کلپنا نے جونا خان کو خاموش پا کر بے قراری سے  
 پوچھا۔ ”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ یو لیے، باتیں کیجیے، آپ  
 کی باتیں بڑی دلنواز و دل شاس ہوتی ہیں۔“

جونا خان نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ”محترمہ  
 جی! آپ کو دلنواز باتوں کی سوجھ رہی ہے مگر میں انسانوں  
 کے مستقبل پر غور کر رہا ہوں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم  
 حاکم جنگ میں ہیں۔ ہمارے چاروں طرف موت کی  
 بدلیاں چھائی ہوئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ موت کے بادل  
 چھانٹ دوں تاکہ امن اور سچائی کی دھوپ نکل آئے۔“

کلپنا نے کہا۔ ”آپ نے میرے سن کی بات کہی  
 ہے۔ میں امن کی دلدادہ بھی مگر ان ملیچھے مسلمانوں نے ہماری  
 ریاست پر حملہ کر کے امن کی فاختہ کے پر کاٹ دیے ہیں۔“  
 جونا خان کو کلپنا کے منہ سے مسلمانوں کی شان کے  
 خلاف بات سن کر سخت غصہ آیا مگر اس وقت غصے کے اظہار کا  
 کوئی موقع نہ تھا۔ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

”سنو کلپنا! مسلمان ملیچھے نہیں ہیں۔ میں نے ان کی  
 تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے آدرش بہت اونچے ہیں۔  
 یہ بہت دلیر اور کھڑے لوگ ہیں مگر اب ہوس اقتدار کے



کے ہمراہ ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ تاہم انہوں نے حویلی کا دروازہ کھول دیا۔

کلپنا اور جونا خان دونوں حویلی میں داخل ہو گئے۔ کلپنا نے حویلی کے کھن سے گزرتی ہوئی ایک نوکرانی سے پوچھا۔ ”کیا پکڑ بھیا آگئے ہیں؟“ نوکرانی نے نفی میں جواب دیا اور بتایا کہ شری پکڑ جاتے وقت یہ کہہ گئے تھے کہ آج راجا کرن نے نہایت اہم اجلاس طلب کیا ہے۔ اس لیے وہ دیر سے آئیں گے۔

کلپنا، جونا خان کو اپنے خصوصی کمرے میں لے گئی۔ جونا خان حیران رہ گیا۔ کمر کیا تھا، ایک لالہ زار تھا۔ چاروں طرف کا فوری فائوس جگمگا رہے تھے۔ وسیع وعریض قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر سندربن کے شیروں کی کھالیں آویزاں تھیں۔ کمرے کے عین وسط میں سیتا رام چندر اور بچھن کے دو دیباغے دید و شنید کی دعوت دے رہے تھے۔

کلپنا نے جونا خان کو بچھن کے نہایت پر تکلف اور آرام دہ پلنگ پر بٹھادیا اور دیوار کے قریب لٹکی ہوئی طلائی زنجیر پتیلی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ ایک خوب صورت لڑکی برآمد ہوئی۔ یہ کلپنا کی خادمہ تھی۔ اس نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ خادمہ نے ٹھوڑی دیر بعد دسترخوان بچھایا اور طرح طرح کے لذیذ کھانا حاضر کر دیے۔ جونا خان کو.... واقعی سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ بعد ازاں فوراً بولا۔

”مختصر مد! آپ مجھے جس مقصد کے لیے لے کر آئی ہیں، وہ پورا کیجیے۔ میرے دماغ میں کچھ نئی ترتیبیں آ رہی ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ ترتیبیں آپ کی مدد سے پوری ہو کر رنگ لائیں اور قلعے کی دھرتی خاک و خون کے تماشے سے محفوظ ہو جائے۔“

اس کی بات سن کر کلپنا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازہ کھول کر عقبی کمرے میں چلی گئی۔ وہ جلد ہی لوٹ آئی۔ اب اس کے ہاتھ میں چابوں کا گچھا اور ایک شیخ دان تھا۔ وہ جونا خان کو اپنے کمرے سے لے کر میزبھوں سے پہنچے اتری اور لمبے چوڑے صحن کو عبور کرتی ہوئی راہداری میں جا پہنچی۔

یہ ایک طویل راہداری تھی۔ اگر کلپنا کے ہاتھوں میں شیخ دان نہ ہوتا تو اس راہداری سے گزرتا دشوار تھا۔ راہداری سے گزر کر آگے ایک وسیع وعریض باغ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر تارے ٹمٹما رہے تھے۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کلپنا اور جونا خان اسرار بھرے سائے

جاؤ گی؟ کیا تم نے اپنے فرار کا کوئی محفوظ انتظام بھی کیا ہے یا نہیں؟“

کلپنا جواب میں بولی۔ ”اول تو میرے بھائی پکڑ نے قلعے کی فیصلوں پر ایسا موثر انتظام کر رکھا ہے کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو ہی نہیں سکتے۔ بالفرض وہ داخل ہو بھی جائیں، تب بھی وہ میرا اور میرے بھائی پکڑ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ہم نے نہایت آسانی سے فرار ہو جانے کا خفیہ انتظام کر رکھا ہے۔“

”وہ کیا؟“ جونا خان اپنی مسرت پر قابو پاتے ہوئے مستفسر ہوا۔ کلپنا جواب میں بولی۔

”میں یہ بات اس شرط پر بتاؤں گی کہ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کوئی بری گھڑی آئی تو آپ بھی ہمارے ساتھ بھاگ چلیں گے۔“

جونا خان نے کہا۔ ”کلپنا! میں بھاگنے والا نہیں بلکہ بھاگنے والا انسان ہوں۔ میں مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔ بہر کیف، آپ جو کچھ بتانا چاہتی ہیں، پوری تسلی سے بتائیے۔“

کلپنا بتانے لگی۔ ”مجھے آپ کی دلیری پر کوئی شبہ نہیں لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ اگر مسلمان قلعے میں گھس آئیں تو آپ ان کا مقابلہ کریں۔ بھگوان بری گھڑی سے بچائے۔ آپ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ آئیے میں آپ کو ایک بے حد خفیہ راز بتاتی ہوں۔ کوئی مخوس گھڑی آئے گی تو میں پکڑ کے ساتھ آپ کو بھی بھاگ کر لے جاؤں گی۔ آئیے میرے ساتھ آجائیے۔ جنگ کا پانسہ پلٹنے دیر نہیں لگتی۔ بھگوان جانے کل کیا ہو؟ اس لیے اپنی اور ہماری بقا کا راستہ ابھی دیکھ لیجیے۔“

جونا خان جس خفیہ مشن کے لیے قلعے میں آیا تھا، وہ حیرت انگیز اتفاق سے پورا ہو رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا سے بزرگ و بڑتر کا شکر ادا کیا اور اپنی مسرت کو چھپا کر کلپنا کے ساتھ ہو گیا۔

☆☆☆

رات کی تاریکی گہری ہو گئی تھی۔ جونا خان، کلپنا کی راہنمائی میں تن پہ نقد پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ دونوں اسی جگہ سے قریب جا پہنچے جہاں خود جونا خان نے کلپنا کی جان بچائی تھی۔

مجھے سے قریب پکڑ کی عظیم الشان حویلی تھی جہاں چار سپاہی تنقی تلواریں لیے پہرا دے رہے تھے۔ کلپنا کو دیکھتے ہی وہ باادب کھڑے ہو گئے۔ کلپنا تشریف چینی تو آئیں اس

جو خان نے اس لمبی چوڑی تصویر کو غور سے دیکھا۔  
واقعی یہ ایک دیدہ زیب تصویر تھی۔ کلپنا نے تصویر کے قریب  
لنگی ہوئی سنہری ڈور پیچ دی تو تصویر سٹ کر رہ گئی۔

اب جو خان کو معلوم ہوا کہ یہ تصویر دراصل ایک  
پردے پر پتی ہوئی تھی کیونکہ تصویر کے سامنے ہی ایک اور  
مقتل دروازہ نظر آیا تھا۔ کلپنا نے یہ دروازہ کھولا تو یہ بالکل  
اسی وضع قطع کا طویل کمرہ تھا جس کمرے سے جو خان ابھی  
گزر کر آیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ پچھلے کمرے میں اڑدے  
بھنگاریں مار رہے تھے اور اس کمرے میں چاک دست  
گھوڑے ہڑا بھرا چاراکھارہے تھے۔ اسی کمرے میں ایک  
اور مقتل دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلپنا بولی۔  
”دیکھیے، یہ ہمارا چور دروازہ ہے۔“ کہتے ہوئے کلپنا نے  
قتل میں جالی تھمائی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک سرنگ تھی  
جو دو گنا تنگ چلی گئی تھی۔ سرنگ میں دور تک چھوٹے چھوٹے  
طاقتوں میں نیٹے نیٹے شمع دان جل رہے تھے۔

تب ہی جو خان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ ”کلپنا!  
یہ سرنگ کہاں جا کر ختم ہوتی ہے؟“

کلپنا نے جواب دیا۔ ”یہ سرنگ احمد آباد کی شمالی سرحد  
کے پار نہر کے اس رخ پر ختم ہوتی ہے جہاں دھویوں کا  
گھاٹ ہے۔ ہم نے برسوں کی محنت کے بعد یہ سرنگ اس  
لیے تیار کر رکھی تھی کہ اگر کپورہ، راجا کرن سے راجدھانی چھیننے  
کے لیے جنگ کرے اور کامیابی نظر نہ آئے تو ہم اس راستے  
سے بھاگ نکلیں مگر نقد ہر کے پھیر نہ لے ہیں، ہم راجا کرن  
سے لڑنے اور راجدھانی پر قبضہ کرنے کی ترکیب سوچ رہے  
تھے کہ ہم پر مسلمان چڑھ دوڑے۔ بہر حال اگر مسلمان  
قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو میں تمہیں اور کپورہ کو  
اس سرنگ سے لے بھاگوں گی اوو زندگی بھر مسلمانوں کے  
خلاف سازشیں کرتی رہوں گی کہ جس قوم نے میرے اور  
میرے بھائی کے ارمان میں مٹی نہ ملانے، میں اس قوم کو سکھ کا  
سائنس نہیں لینے دوں گی۔ اب میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ تم  
ہماری حوصلی میں رہو۔ بھگوان بری گھڑی سے بچانے اور  
تمہیں اپنی پناہ میں رکھے۔“

جو خان کو مسلمانوں سے کلپنا کی شدید نفرت کا  
اندازہ نہیں تھا۔ اس نے حیرت سے سوچا، عورت بھی عجیب  
چیز ہے۔ محبت کرتی ہے، جنت بن جاتی ہے اور نفرت کرتی  
ہے تو اس کے غصے کے شعلوں کے سامنے جہنم بھی ماند پڑ جاتی  
ہے۔ جلد ہی اس نے اپنے خیالوں کو جھٹک دیا اور کلپنا کو  
خطاب کر کے کہا۔

کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ پوری فضا سنسان تھی۔  
یوں لگتا تھا جیسے شجر و جبرہ راندی نیند کا خمار چھا گیا ہے۔ جو خان  
پوری طرح چوکنا ہو کر چل رہا تھا۔ اس کے ذہن میں  
خیال گزرا کہ کہیں یہ لڑکی اسے پہچان تو نہیں گئی کہ میں  
مسلمان ہوں۔ یوں کسی انجانے خطرے کے پیش نظر اس کا  
ایک ہاتھ اپنی کمر میں بندھے ہوئے خنجر پر تھا۔

باغ کی دوستیں پھیلاؤنگ کر وہ ایک بوسیدہ کمرے  
میں داخل ہوئے۔ دیواروں کے ملبے رنگ اور اکڑے  
ہوئے پلاستر نے کمرے کی وحشت میں اضافہ کر دیا تھا۔  
کمرے کو عبور کر کے کلپنا ایک کھنڈی کے قریب پہنچی۔  
کھنڈی کے دروازے پر مضبوط تالاکا ہوا تھا۔

کلپنا نے چابیوں کے گچھے سے ایک نجی تلاش کی اور  
قتل کھول دیا۔ دروازہ کھلا تو یہاں زبردست زینہ نظر آیا۔  
کلپنا نے جو خان کا ہاتھ تھام لیا اور سیڑھیوں سے نیچے  
اترنے لگی اور جو خان بھی چپ چاپ نیچے اتر گیا۔ جوئی  
سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک کشادہ کمرہ نظر آیا۔

یہاں جو خان نے جو کچھ دیکھا وہ کوئی عام آدمی  
دیکھتا تو مارے دہشت کے دم ہی توڑ دیتا۔  
اس کمرے میں چار بچا خوشنماک اڑدے رنگ رہے  
تھے۔ کلپنا اور جو خان مزید پہنچنے تو اڑدے پھن پھیلا کر  
کھڑے ہو گئے۔

جو خان نے اپنے حواس پر پوری طرح قابو رکھا اور  
طنز سے پوچھا۔

”محترمہ! کیا آپ مجھے ان اڑدہوں کے حوالے  
کرنے آتی ہیں؟“

کلپنا بے قرار ہو کر بولی۔ ”میرے محسن میرے  
محبوب! آپ نے میری جان بچائی تھی، اب میں اپنی اور  
آپ کی جان کے تحفظ کا وہ راستہ بتا رہی ہوں جس کا علم  
صرف مجھے اور میرے بھائی کپورہ کو ہے۔ پورے قلعے کا کوئی  
فرد یہ راستہ نہیں جانتا۔ آپ ان اڑدہوں سے کسی غلط فہمی کا  
شکار نہ ہوں۔ یہ پالتو اڑدے ہیں۔ ان کے زہر کے سنبے  
نکلوا دیے گئے ہیں۔ یہاں یہ اڑدے صرف اس مقصد سے  
رکھے گئے ہیں کہ کوئی بیگانہ اتفاقاً اوہران نکلے تو دہشت کھا  
کر بھاگ جائے اور ہمارے خفیہ راستے سے آگاہ نہ ہونے  
پائے۔ آپ کو یہ اڑدے گزند نہیں پہنچائیں گے۔ دیکھیے  
اوتھرائے منے ذرا نظر دوڑائیے۔ کتنی خوبصورت تصویر ہے۔  
ہر بتوں اور ان سے بچنے والے آبیاری کی سی لکڑی منظر کشی کی  
گئی ہے۔“

کے پاس پہنچ جائے اور اسے فصیلوں پر حملہ کرنے کے بجائے سرنگ کا راستہ بتا دے۔ یوں جو نا خان اپنے مشن میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

ادھر یہاں ایک اور ماجرا ظہور پذیر ہو رہا تھا۔ حالت جنگ کے پیش نظر کپور نے قلعے کے پہریلہ اروں کو سخت تاکید کر رکھی تھی کہ وہ قلعے سے آئے جانے والوں کی کڑی دیکھ بھال کریں تاکہ دشمن کا کوئی جاسوس قلعے میں نہ آن دھسکے۔ اگرچہ جو نا خان نے ہندوؤں کا لباس پہن رکھا تھا پھر بھی وہ قلعے سے نکلنے کے لیے احتیاط کے تمام تقاضے ملحوظ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسی ادھیڑ بین میں پناہ گزینوں کے خیموں سے گزرتا ہوا قلعے کے دروازے پر جا پہنچا۔ پہریلہ اروں نے اس سے قلعے سے باہر جانے کی وجہ پوچھی۔ اس نے ایک ماہر نفسیات کی طرح حاضر جوابی سے کام لیا اور قلعے سے باہر آ جانے میں کامیاب ہو گیا۔

باہر کی بستیوں میں دور دور تک سناٹا تھا۔ جو نا خان پوری تیز رفتاری سے اسی رخ پر چل رہا تھا جہاں اس نے اپنے گھوڑے کو پھوڑا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے کچھ دور آگے جا کر اس کا بھٹکتا ہوا اہول اہل کیا۔ جو نا خان لپک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی سے منزل میں سفر کرتا ہوا اپنے لشکر میں جا پہنچا۔ الف خان نے حملے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور دو سو فصیلوں پر حملہ آور ہونے والا تھا۔ جو نا خان فوراً الف خان کے خیمے پر پہنچا۔ وہ سو رہا تھا۔ تاہم جب اسے جگایا گیا تو اس نے جو نا خان کو گلے لگایا اور تدرے ناراضی سے پوچھا۔ ”جو نا خان! تم دو دنوں سے کہاں غائب تھے؟ ہم سخت فکر مند تھے۔ رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ ہم تمہاری گمشدگی کے بارے میں تمہارے والد کو کیا جواب دیں گے۔“

جو نا خان نے کہا۔ ”بزرگوار! میں خدا پر بھروسہ کر کے ایک خفیہ سفر پر نکلا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے راستے کے بہت سے کانٹے صاف ہو گئے ہیں۔ میں آپ سے پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ قلعہ فصیلوں پر حملہ کر کے فتح نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ہمارے بہت سے سپاہی ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے۔ میں پورے قلعے کا جائزہ لے آیا ہوں۔ دشمن نے قلعے کے دروازوں پر لاتعداد فوج بھار رکھی ہے۔ اب میں ایک ایسے راستے کا سراغ لگا کر آیا ہوں کہ آپ بہ آسانی قلعہ فتح کر سکتے ہیں۔“

الف خان بولا۔ ”بیٹے جو نا خان! یہ اندازہ تو ہمیں بھی ہے کہ فصیلوں پر حملہ کر کے قلعہ بہ آسانی فتح نہیں

”محترم! میں اپنے ہاتھ میں آپ کے جذبات کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ یہ ایک عمرانی اصول ہے کہ انسانوں کے قافلے زندگی کی شاہراہ پر چلتے چلتے اپنا چانک اپنے ہی جیسے دوسرے بھولے بھٹکے انسانوں سے مل جاتے ہیں۔ جب ان میں باہمی میل جول بڑھ جاتا ہے تو بیگانگی ختم ہو جاتی ہے اور فاصلے سٹ کر قربت بن جاتے ہیں۔ انسانی بستیوں میں عمرانی اصول کی بدولت ظہور میں آتی ہیں۔ اسی اصول کے کرشمے سے سماج نے جنم لیا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیے، میں پناہ گزینوں کے قافلے کے ساتھ قلعے میں آیا تھا۔ اتفاقاً آپ کی حویلی کے قریب سے گزر ہوا۔ میں نے آپ کو گرتے دیکھا تو انسانی ہمدردی کے زیر اثر آپ کو تھام لیا۔ مجھے آپ کے مرتبے کا اندازہ ہو چکا ہے۔ آپ جو کچھ بھی ہیں، اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ پہلے آپ ایک انسان ہیں۔ بحیثیت انسان آپ کی جان بچانا میرا فرض ہے۔ لہذا میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ البتہ آپ نے مجھے سرنگ کا محفوظ راستہ دکھا کر میری جان بچانے کا جو جذبہ ظاہر کیا ہے، وہ قابل قدر ہے۔ آپ نے بڑی عمدہ اور محفوظ سرنگ بنوائی ہے۔ یقیناً اس سرنگ کی بدولت نہ صرف میری اور آپ کی بلکہ دشمنی انسانیت کی بھی جان بچ سکتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے سرنگ امن اور سلامتی کی شاہراہ بن جائے گی۔ اب رہی آپ کی فرمائش کہ میں آپ کی حویلی میں رہوں، تو میں اس سے معذور ہوں۔ میں ایک آزاد منش، خود دار آدمی ہوں۔ میں اپنی زندگی کا سامان خود فراہم کرتا ہوں۔ اپنے مل بوتے پر چلی فضاؤں میں رہنا پسند کرتا ہوں جبکہ آپ کی شاندار حویلی تکلفات کا چال ہے۔ بہر کیف، اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔“

کلپنا، جو نا خان کی باتیں سن کر سسک پڑی۔ اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آپ کی باتیں واقعی دلکش ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میرے کانوں میں علم و دانش اور صداقت و طمانیت کا شہد بک رہا ہے۔ آپ میرے اندازوں سے کہیں زیادہ اونچے انسان ہیں۔ میں آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف حویلی میں رہنے پر مجبور تو نہیں کر سکتی البتہ یہ التجا ضرور کرنی ہوں کہ آپ مجھ سے ملنے رہیں۔“

جو نا خان نے مختصر جواب میں کہا۔ ”یقیناً میں آپ سے ضرور ملوں گا۔“

جو نا خان نے باغیچے میں پہنچ کر اپنے رب کے حضور عشا کی قضا نماز ادا کی اور قلعے سے نکلنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر اپنے سپہ سالار الف خان

محسوس ہوتا تھا جیسے حویلی الہی صداؤں سے بھر گئی ہے۔

یہ شور سن کر کلپنا اور کپور گھبرا کر اٹھے۔ کلپنا کی ایک خادمہ نے سخت بدحواسی کے عالم میں اسے بتایا کہ مسلمان قلعے پر قابض ہیں اور غریبوں کے سردار نے قلعے کے تمام مینیوں کو میدان میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

یہ وحشت اثر خنجر سن کر کلپنا اور کپور لرز اٹھے۔ کلپنا کو بے اختیار سندر رام (جو نا خان) یاد آ گیا۔ اگلے دن دل میں ہوک اٹھی کہ کاش! اس کا محبوب اس وقت حویلی میں ہوتا۔ اس نے سوچا بھگوان جانے اب اس کا محبوب کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟ کہیں مسلمان اسے قتل نہ کر ڈالیں۔ خنیالوں کے اسی تانے بانے میں اسے اپنی اور کپور کی زندگی کو خطرے کا احساس ہوا تو وہ کپور کا ہاتھ پکڑ کر سرنگ کی طرف بھاگی۔

دونوں بہن بھائی جب وہاں پہنچے تو بری طرح دہل کر رہ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سرنگ کے پاش پاش دروازے اور پہرے پر موجود کچھ سپاہیوں کو دیکھ کر ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

کلپنا نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اس کے ذہن میں اپنے محبوب کا خیال بجلی کی طرح چمک اٹھا۔ وہ یہ سوچ کر کانپ اٹھی کہ کہیں اس کا محبوب مسلمان تو نہیں تھا جو سندر رام بن کر قلعے میں چلا آیا اور آج ہندوؤں کی شکست کا باعث بن گیا۔ وہ انہی خدشات میں مغمم تھی کہ کچھ تو جوانوں نے کپور اور کلپنا کو حراست میں لے کر اس میدان میں پہنچا دیا جہاں قلعے کے تمام باشندے جمع ہو رہے تھے۔

کچھ سپاہی چاروں طرف برہنہ شمشیریں تانے کھڑے تھے۔ سامنے چبوترے پر لشکر کے اہم افسر قطار باندھے الف خان کی آمد کے منتظر تھے۔ درمیانی طویل وعریض میدانی قطار میں ہندو مردوں، عورتوں اور بچوں کا جھوم اس طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا جیسے ان کے وجود سے زندگی کی ہر لرزش چھن گئی ہے۔ ان لوگوں کی رنگوں میں خون کے بجائے خوف دوڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ مسلمان اب ہم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔

ایک راجا کرن کے محل کی سیڑھیوں سے الف خان اپنے ساتھیوں سمیت اترا نظر آیا۔ اس کے آگے آگے کرن کی بیگمات، بچے اور کرن کے خاندان کے دوسرے افراد سر جھکائے چلے آ رہے تھے۔

الف خان کو دیکھ کر ایک فوجی افسر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جواب میں مسلمان سپاہیوں نے اس زور سے اللہ اکبر

ہوسکا۔ یقیناً اس محلے میں طرفین کا بڑا جانی نقصان ہو گا لیکن ہمارے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ یہ قلعہ چاروں جانب سے نہایت محکم ہے۔ اب ہم فصلیوں پر حملہ نہ کریں تو کیا کریں؟ ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ دشمنوں کو خوفناک حیران دازی سے بھگا دیا جائے۔ قلعے کے دروازوں پر حملہ کرنا ہمارے منصوبے کا دوسرا مرحلہ تھا۔“ الف خان بولا۔ ”میں بہر طور بڑے اشتیاق سے جانتا جاہوں گا کہ تم کون سے خفیہ راستے کا سراغ لگا کر آئے ہو؟“

جونا خان نے اپنی دوروزہ ہم کم روداد کہہ سنائی اور خفیہ سرنگ کا سارا حال بتا دیا۔ الف خان کا چہرہ دھک اٹھا۔ اس نے جونا خان کو فخر طعنت سے گلے لگا لیا اور کہا۔ ”تم ہمارے قیاس سے کہیں زیادہ ذہین و ظہین نوجوان ہو۔ ہمیں تمہارے ماتھے پر عظمت کی ہر نظر آتی ہے۔ تم یقیناً مستقبل کے بہت بڑے حکمران بنو گے۔“

☆☆☆

راتوں رات الف خان، جونا خان کی راہنمائی میں لشکر لے کر قلعے پر چڑھ دوڑا۔ کچھ فوجیں سرنگ کے دروازوں کو روک دیتی ہوئی قلعے کے چاروں جانب پھیل گئیں۔ اہل قلعہ کچھ سپاہ کو دیکھ کر دروازوں کی طرح بھاگنے لگے۔ ہندو امراء پر سکتہ چھا گیا۔ جو شخص جس جگہ بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔

راجا کرن اپنی رانیوں کے شیشیان میں سو رہا تھا۔ الف خان نے اسے چالیا۔ کرن ہڑ ہڑا کر اٹھا۔ اس نے الف خان کے ہاتھوں میں برہنہ شمشیر دیکھی تو اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔

الف خان نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کر دی کہ قلعہ فتح ہو چکا ہے لہذا اب کسی ہندو کو قتل نہ کیا جائے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے مہربانی کا برتاؤ کیا جائے، کسی سے ادنیٰ سی چیز بھی نہ چھینی جائے۔

مسلمانوں کا نعرہ ہائے تکبیر سن کر اہل قلعہ کے سینے چھوٹ چکے تھے۔ قلعے کے پناہ گزین اور کرن کی فوج کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ الف خان نے منادی کرانی کہ قلعے کے تمام باشندے میدان میں جمع ہو جائیں۔ ہندو مگرتے پڑتے اپنے بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لیے رام۔ رام جیتے میدان میں اکٹھے ہونے لگے۔

کلپنا ابھی تک بے خبر رہی تھی۔ کپور بھی خراٹے لے رہا تھا۔ مسلمان فوجی حویلی میں پہنچے تو لوکروں، نوکرانیوں اور پھر پیداروں میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کی چیخ و پکار سے یوں

عبادت کی جائے۔ ہمارا مشن کسی خونریزی کے بغیر پُر امن طور پر مکمل ہو گیا ہے۔ اب آپ لوگوں کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان اور ظلم ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ہم آپ کا مال چھیننے نہیں آئے۔ ہم آپ کی جان لینا نہیں چاہتے۔ ہم محبت اور رحمت کے امین ہیں۔ ہم عالمگیر سچائیوں کے ترجمان ہیں۔ ہم آپ کی عزت کریں گے۔ آپ کو رسوا نہیں کریں گے۔ آپ لوگوں کے جو عزیز ہم سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوئے ہیں، اب ان کے زخم ہمارے زخم ہیں۔ ہم ان کے بدن کی اذیت اپنی روح پر محسوس کرتے ہیں۔ ہم ان کے زخموں پر مرہم لگائیں گے۔ اب آپ لوگ پُر امن رہیں۔ اگر آپ پُر امن رہے تو ہمیں روئے زمین کی سب سے بڑی امن پسند قوم پائیں گے۔ ہم آپ کو اپنا غلام یا کاسہ لیس بنانا نہیں چاہتے۔ آج سے آپ سب کے حقوق برابر ہیں۔ اب آپ سب ہماری پناہ میں ہیں۔ ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور آپ کے بچوں میں اپنی محبت پائیں گے۔ آپ لوگ اپنے دل و دماغ کو مضبوط بنائیں۔ یقین کیجئے کہ آج امن اور سچائی نے فتح حاصل کی ہے اور باطلانہ تصورات کی شکست ہوئی ہے۔ اب آپ لوگ اپنے دل و دماغ کو مضبوط بنائیں اور پورے اعتماد کے ساتھ خودداری کی زندگی بسر کریں۔ ہم آپ کو اس سرزمین سے بھگانا نہیں چاہتے۔ آپ اس سرزمین کے بیٹے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی تقدیر کے فیصلے آپ کی آواز کے بغیر ادھر سے نہیں گئے۔ تاہم میں یہ انتہاء کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اگر کسی نے ہم سے شرارت یا بغاوت کی کوشش چاہی تو اسے ابھی سے سمجھ لینا ہوگا کہ وہ ہرگز اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا کیونکہ ہم پہاڑوں کے بیٹے ہیں۔ ہمیں بکولوں کی گودنے ماں بن کر بالا ہے۔“

یہ تقریر سن کر ہندوؤں کے شکستہ حوصلوں میں جان پڑ گئی۔ انہوں نے بے ساختہ ”جونا خان کی ہے“ کے پُر جوش نعرے لگائے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

الف خان نے راجا کرن کے رشتے داروں، ہندو و زیروں اور ان کے عزیزوں کو زیر حراست رکھا۔ باقی سب کو رہا کر دیا۔

☆☆☆

جب الف خان کرن کی بیگمات، دیگر ہندو امراء اور ان کی بیگمات اور بچوں کو لے کر دہلی میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے دربار پہنچا تو کچھ اور کلپنا بھی اس کے ہمراہ تھے۔ علاؤ الدین نے سب جرات کی فتح کی خوشی میں عظیم

کہا کہ قلعہ کے در و دیوار لرز اٹھے۔ الف خان کے پیچھے پیچھے جونا خان چڑھو کا رانداز میں چلا آ رہا تھا۔ کلپنا نے جونا خان کو مسلمانوں کے سردار کے ساتھ آتے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ اب اس کی نگاہ سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ سب سمجھ گئی۔ یہ سوچ کر اسے دل پر زبردست دھچکا لگا کہ اس کا محبوب واقعی مسلمان ہے تاہم اس کے دماغ کے کسی گوشے میں اس فخر کا یہ احساس بھی جاگ اٹھا کہ اس کا محبوب معمولی آدمی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کا کوئی اہم افسر ہے۔

جونہی الف خان نے سب کو بیٹھ جانے کی تاکید کی تو ایک افسر نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اب قلعہ احمد آباد کے فاتح اور ہمارے مکرم سپہ سالار سردار الف خان آپ سے خطاب فرمائیں گے۔ الف خان نے مجھے سے خطاب کرنے کے بجائے حکم دیا کہ تمام عورتیں ایک طرف اور مرد دوسری طرف علیحدہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں۔ یہ عمل چند منٹوں میں مکمل ہو گیا تو الف خان نے کہا۔

”حاضرین! اس قلعہ کو میں نے فتح نہیں کیا۔ میرے بہادر سپاہیوں کو بھی اس حقیقت کا علم نہیں کہ اس قلعہ کا اصل فاتح کون ہے؟ اس قلعہ کے اصل فاتح ہمارے دوست غلیات الدین تغلق کے فرزند فخر الدین جونا خان ہیں۔ اس موقع پر آپ لوگوں سے انہی کو خطاب کرنا چاہیے۔“

یہ کہہ کر الف خان نے ہونہار جونا خان کو آگے بڑھنے اور حاضرین سے خطاب کرنے کا اشارہ کیا۔

جونا خان ہجوم کے سامنے آیا تو سب کی نگاہیں اس کے سرخ و سفید چہرے پر جم گئیں۔ جونا خان نے اپنی تقریر سے قبل قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو شجر و جبر جموع اٹھے۔ قرآن کی آیات سن کر نہ صرف خلجی سپاہیوں کی آنکھیں پھٹ گئیں بلکہ ہندوؤں نے بھی محسوس کیا کہ ان سے کوئی عظمت ہم کلام ہے۔

تلاوت کے بعد جونا خان اپنے اثر آفرین اور پُر جوش لہجے میں بولنا چلا گیا۔

”میرے ہندو بھائیو اور بھنوں! ہمیں خدا کی کرم فرمائی اور اپنے بہادر سپاہیوں کی قربانیوں کی بدولت فتح نصیب ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اپنے مکرم سردار الف خان کا ادنیٰ سپاہی ہوں۔ بہر کیف میں انہی کی جانب سے اعلان کرتا ہوں کہ اب ہمیں ہمارے رب نے سرفراز فرما دیا ہے جو ہم سب کا خالق و معبود ہے۔ وہی ایک اکیلا عبادت کے لائق ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جس کی



ضرورت کی مجبوری ہوتی ہے۔ اس کی خلوت پسند طبیعت تنہائی کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے۔ خاص طور پر وہ جشن طرب کی محفلوں سے دور بھاگتا ہے اور تمام تر وقت مطالبے میں بسر کرتا ہے۔“

ادھر کلینا نے جونا خان کا تذکرہ سنا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا مگر وہ خاموشی سے الف خان اور سلطان علاؤ الدین کی گفتگو سنتی رہی۔

علاؤ الدین بولا۔ ”جونا خان کے کارنامے پر ہمارا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے۔ اسے فوراً دربار میں لایا جائے۔“

تھوڑی دیر بعد سلطانی ہرکارہ جونا خان کو بلا لایا۔ سلطان نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے تخت کے قریب مسند پر بٹھالیا۔ تمام حاضرین کی نظر اس جونا خان کو تنگے لگیں۔ خاص طور پر کلینا اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور اس نے کپور کا ہاتھ پکڑا اور بے باکی سے آگے بڑھ کر خجنت سلطانی کے قریب جا پہنچی۔ یہاں اسے اپنے محبوب کا روشن چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

سلطان علاؤ الدین نے اعلان کیا۔ ”ہم قلعہ احمد آباد کی فتح کے کارنامے پر جونا خان کو درباری منصب، خلعت فاخرہ اور دو سو درگنہ جاگیر انعام دینے کا اعلان کرتے ہیں۔“ یہ سن کر کلینا کے دل میں یکایک اپنے دھرم کی غیرت جاگ پڑی۔ چند لمحوں کے لیے اس کا خون کھول کر رہ گیا کہ یہی وہ نوجوان ہے جس نے سندھ رام کے فرضی نام سے اس کا دل چھینا تھا اور سرنگ کارا زجان کر اس کے مادر وطن پر ہندوؤں کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا تھا۔ یہاں وہ بے اختیار خجنت پڑی۔ ”سلطان معظم! کئیو کچھ عرض کی اجازت چاہتی ہے۔“

علاؤ الدین، کلینا کے حسن کی رعنائیاں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ سرشاری سے بولا۔

”حیدہ! تم کون ہو؟“

اب الف خان نے کلینا کا تعارف کرایا اور کپور کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ نوجوان ہجرات کا پردھان ستری ہے اور یہ لڑکی کلینا اس کی بہن ہے۔ علاؤ الدین نے جموی پیاسی نظروں سے کلینا کے پورے سراپا کا جائزہ لیا اور مجھوم کر کہا۔

”تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔“

کلینا بولی۔ ”سلطان معظم! فتح و شکست اتفاقی چیز ہے۔ ہمیں سوائے اتفاق شکست ہوئی ہے مگر اب چونکہ ہم ہار گئے ہیں اس لیے ہمیں اپنی بدبختی کا اعتراف ہے لیکن میں یہ کہہ بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ نوجوان جو آپ کے قریب بیٹھا ہے، اس کی چالاکی نے ہمیں شکست کی ذلت سے دوچار کرنا ہے۔“

الشان جشن منایا اور دربار عام طلب کیا۔ کپور اور کلینا، علاؤ الدین خلعتی کے دربار کی سچ دج اور جلال و جبروت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

کلینا بے قراری سے پورے دربار کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی کھوئی کھوئی سحرانہ آنکھیں رہ رہ کر اپنے محبوب جونا خان کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر جونا خان وہاں نہیں تھا۔ اس کا ہندو عقیدہ مسلمان جونا خان کو معاف کرنے پر تیار نہ تھا مگر اس کا دل مذہب سے بے نیاز وہ کر جونا خان کی تمنا میں تڑپ رہا تھا۔

جونا خان سے ملاقات سے پہلے بھی وہ اسی دنیا میں رہ رہی تھی۔ ہر روز سورج چمکتا تھا، ہر شام چاند ستاروں کی قد ملیں آسمان کی نیلگوں فضا میں جھنگاتی تھیں مگر اس کے من میں دور بہت دور اندھیرا رہے کی کھائی تھی لیکن جونا خان اس کی زندگی میں داخل ہوا، کلینا کی دنیا بنی بدل کر رہ گئی۔ اب اسے اپنے بیل و دھار بدلے بدلے نظر آنے لگے۔ اب وہ اپنے من میں جھانکتی تھی تو اسے اندھیرے کے بجائے جونا خان اپنے ہاتھ میں برانے والی امید کی شکل تھا سے نظر آتا تھا۔

سچ ہے یہ دنیا خود بخود کبھی نہیں بدلتی۔ اچھی اور بڑی تبدیلیاں ہمیشہ اچھے اور بڑے انسان لاتے ہیں اور وہ لوگوں کے دلوں پر چھا جاتے ہیں۔

علاؤ الدین نے الف خان کو فتح ہجرات کے کارنامے پر زبردست خراج تحسین پیش کیا اور بڑی جاگیر انعام دینے کا اعلان کیا مگر الف خان نے اسے احمد آباد قلعے کی تعمیر میں جونا خان کے حیرت انگیز کردار کی داستان سنا کر درخواست کی کہ انعام جونا خان کو دیا جائے۔

جونا خان کا والد غیاث الدین تغلق، سلطان علاؤ الدین کا قریبی ساتھی تھا۔ علاؤ الدین نے اسے پنجاب کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے ہونہار بیٹے کا کارنامہ سن کر بڑا... خوش ہوا۔ خود سلطان علاؤ الدین، جونا خان کی ہمت اور فراست کا ماحیرانہ کرہ خد متاثر ہوا۔ اس نے چونک کر کہا۔ ”ہاں ہاں! جونا خان ہمارے دوست غیاث الدین تغلق کا سعادت مند فرزند ہے۔ ہم خود اس کی کم سنی کے باوصف اس کی علمی بلندیوں کے مداح ہیں مگر وہ آج ہمارے دربار میں حاضر کیوں نہیں ہوا؟“

الف خان نے جواب دیا۔ ”شاید سلطان معظم، جونا خان کی بے نیازیوں سے بے خبر ہیں۔ چونکہ جونا خان زبردست فلسفی بھی ہے اس لیے وہ تنہائی پسند واقع ہوا ہے۔ اگر وہ کسی محفل یا تقریب میں شرکت بھی کرتا ہے تو یہ کسی اہم

سازشیوں کو وقتاً فوقتاً بغاوت کرنے کی ترغیب بھی دے آیا تھا۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ دکن فتح کر کے علاؤ الدین کے دل پر اپنا بھڑتہ ہوا اعتماد اتارنا مستحکم کر دے کہ پھر اس کے ناپاک منصوبوں کی کامیابی میں کوئی حائل نہ ہوئے پائے۔

ادھر کلپنا کے ذہن میں بیک وقت جو خان کی محبت اور اپنے دھرم کی عقیدت کے چشمے ابل رہے تھے۔ وہ دل کے ہاتھوں جو خان سے اور دماغ کے ہاتھوں اپنے دھرم سے مجبور تھی۔ یہی ذہنی تضاد تھا جس نے اسے بھی چین سے نہیں رہنے دیا۔ اس نے جو خان پر مدتوں ڈورے ڈالے۔ بارہا اس کا تعاقب کیا مگر وہ اس کے دام میں گرفتار نہیں ہوا۔

ایک کلپنا پر ہی کیا موقوف، جو خان پر مر مٹنے والیوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ جو خان کا دل ایک تھا، تیر انداز بے شمار تھے مگر معلوم نہیں وہ کون سی دھن میں مست تھا اور کون سی چٹان میں اس کے پاؤں گڑے ہوئے تھے۔ اس کے شہات میں بھی لغزش نہیں آئی۔ وہ اعلیٰ آرزوؤں کا انسان تھا۔ وہ ایک نہیں کئی سودامافوں کا نچوڑ تھا۔ اس کی ایک زندگی میں بیک وقت کئی زندگیاں جمع ہوئی تھیں مگر اس کا سارا ماتم یہ تھا کہ وہ اپنے وقت سے کئی صدیوں پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ زمانے اور زندگی نے اس سے ہمیشہ نا انصافی کی مگر ابدی سچائیاں اس پر رہتی دنیا تک ناز کرتی رہیں گی۔

☆☆☆

جو خان کو اولیاء اللہ سے گہری عقیدت تھی۔ بالخصوص وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار مقدس پر ہر جمعرات کو حاضری دیتا تھا۔

کلپنا، جو خان کے تمام ٹھکانوں اور اوقات کار کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اگرچہ وہ جو خان کی اولوالعزمی کے پیش نظر اس سے مایوس ہو چکی تھی لیکن جب اسے جو خان کا خیال آتا تھا، اس کے دل کے زخموں کے نائے کھل جاتے تھے۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ آج جمعرات ہے۔ جو خان، حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر گیا ہوگا۔ کیونکہ آج اس سے آخری دفعہ اظہار خیال کر کے دیکھ لوں۔ وہ آٹا فانا تیار ہو کر مزار مقدس پر جا پہنچی۔

جو خان اس وقت فاتحہ پڑھ کر واپس آ رہا تھا۔ کلپنا نے اسے سلام کیا۔ اس نے معقولی لہجے میں جواب دیا اور اس کا حال دریافت کیا۔ کلپنا کہنے لگی۔

”آئیے، باغ میں چلیے۔ میں آپ کو اپنا مکمل حال سنا دوں گی۔“

جو خان نے کہا کہ آپ محبت جتائیں گی، آہیں

علاؤ الدین نے جو خان کی طرف دیکھا تو اس نے ہر دو تار لہجے میں کہا۔ ”فتح و شکست حادثاتی یا اتفاقی چیز نہیں ہے بلکہ فتح یا شکست کے اپنے مکمل اور محسوس اسباب ہوتے ہیں۔ جب میں مجھیں بدل کر احمد آباد کے قلعے میں داخل ہوا تھا تو دراصل میں مسلمانوں کی فتح کے اسباب کی تکمیل کر رہا تھا۔ اب اس لڑکی یا اس کے ہندو بھائیوں کی نظریں مجھ سے پہچان نکلیں تو اس میں میرے فرض شناس کردار کا کیا تصور؟ اصل تصور تو ان ٹکا ہوں کا ہے جنہوں نے مجھے دیکھا، میری باتیں سنیں مگر مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ لہذا میں اس لڑکی کے شکوے کو ناقابل توجہ سمجھتا ہوں۔ البتہ سلطان کرم سے استدعا کرتا ہوں کہ جو جاگیر مجھے بخشی گئی ہے، وہ اس لڑکی کو عطا کر دی جائے کیونکہ میں انسانی نقطہ نظر سے اس لڑکی کو بہر سلوک کا حقیق سمجھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر جو خان خاموشی سے اٹھا اور علاؤ الدین کو سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ کلپنا اپنا دل تھام کے رہ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس بے نیاز فوجوان کے چلے جانے سے دربار کی تمام تعمیریں فوراً ہو مٹی ہیں۔

علاؤ الدین نے راجا کرن کی بیگمات کو اپنے حرم میں داخل کر لیا اور دیگر اسیروں کو دار کے دربار پر رخصت کر دیا۔ کلپنا کی ناسمجھ حسین و جمیل جو خان پر مچھ کر شکست کھا گئی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ انتہائی سازشی اور مکار قتالہ تھی۔ یہی حال اس کے بھائی کپور کا تھا۔ وہ بھی آفت کا پرکالہ تھا۔

بہر کیف۔ وقت کا رتھ چلتا رہا۔ کپور اور کلپنا بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے دل آخر دم تک جوں کی محبت کا نشین بنے رہے۔

ادھر قسمت کا طرف نماشا اور طرف کاری تقدیر دیکھیے کہ علاؤ الدین، کلپنا پر مر مٹا۔ یہ کلپنا یہی تھی جس کے حسن پر فریفتہ ہو کر علاؤ الدین نے اس کے بھائی کپور کو اپنا وزیر بنالیا اور ترقی کی معراج پر پہنچا دیا۔

کپور جن کو ضرور تھا مگر اس کا دل مسلمانوں کے خلاف کیے اور بغض سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں بہن بھائی جب رات کو اکٹھے ہوتے تو علاؤ الدین کے دل پر چھاجائے اور دربار کے مخلص اور قابل امراء کو آپس میں لڑانے یا قتل کرانے کی سازشیں کرتے تھے۔

علاؤ الدین نے کپور کو دکن کی مہم پر بھیجا تو اس نے یزدی چوٹی کا زور لگا کر کامیابی حاصل کر لی مگر یہ مہم اس نے غلطی سے سر نہیں کی تھی۔ وہ دکن میں فتح یابی کے بعد وہاں کے سرکردہ

نہیں کھاتی تو میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ تمہیں کسی دین یا دھرم سے دلچسپی نہیں۔ تم صرف اقتدار کی پیمارن ہو۔ اقتدار کی خاطر ہی تم بڑے سے بڑا جرم کر سکتی ہو۔ ہم لوگ تو خیر مسلمان ہیں مگر راجا کرن تو تمہارا ہم مذہب تھا مگر تم اور تمہارے بھائی نے ہوئی اقتدار میں اسے ٹھکانے لگانے کے لیے کیسے کیسے منصوبے بنا رکھے تھے۔ لہذا تم پر یقین کرنا اور تم سے وفا کی توقع رکھنا دیکھنے کا خواب ہے۔ رہا تمہارا دعویٰ کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میں صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ جس محبت میں تم مبتلا ہو میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ یہ شخص خون کی گرمی ہے جسے تمہارے اعصاب کی تندرسی اور جوانی کے شام و عمر نے وہاں سے دی ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ تم آئندہ اس موضوع پر اب بھی بات نہیں کرو گی۔“

یہ کہتا ہوا جونا خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس آگیا اور کلپنا ہاتھ ملتی رہ گئی۔

☆☆☆

علاء الدین غلی نے جولائی 1296ء میں اپنے چچا سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ 1297ء میں اس نے قلعہ احمد آباد فتح کیا۔ بعد ازاں اس کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

1311ء تک اس نے پتوڑ، پرمپور (رن بھت مور)، راجپوتانہ اور میسور کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کی سلطنت ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئی تھی لیکن اب علاؤ الدین یوڑھا ہو گیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں اس کے دماغ میں سکندر اعظم کی طرح بھاری دنیا کو فتح کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر اسے قصا نے آن لیا اور 1315ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

وہ آخر دم تک ملک کا فور (کپور) اور کلپنا کا دم بھرتا رہا۔ کپور اور کلپنا کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جو شعلے بھڑک رہے تھے، وہ انہیں جہنم نہ لینے دیتے تھے۔ کلپنا نے علاؤ الدین کی بصارت کے آگے اپنے حسن کا ایسا پردہ تان دیا تھا کہ بصارت کے ساتھ ساتھ علاؤ الدین کی بصیرت بھی ماند پڑ گئی تھی۔

کلپنا اور کپور نے علاؤ الدین کو بہت سے ایسے امراء سے بدظن کر دیا جنہیں وہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں مزاحم سمجھتے تھے۔ جب علاؤ الدین کی بدظنی پختہ ہو گئی تو انہوں نے رفتہ رفتہ ایسے خفیہ طریقے سے محب وطن امراء کو قتل کرایا کہ کسی کو ان پر شک بھی نہیں گزرا۔

اب کلپنا چاہتی تھی کہ کسی طرس کپور جلد از جلد علاؤ الدین کا تخت تاج حاصل کر لے۔ کپور کو سب سے زیادہ

بھروسے کی توانا اور میرا وقت ضائع کریں گی۔ یہ بہتر ہے کہ مجھے آپ جانے دیں۔

کلپنا تڑپ اٹھی۔ لاجست سے پولی۔ ”جب آپ سے قلعہ احمد آباد میں پہلی ملاقات ہوئی تھی، میں اسی وقت آپ کو دل دے بیٹھی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ پھر آپ کا اور ہمارا سامنا سلطان علاؤ الدین کے دربار میں ہوا۔ بعد ازاں میں بارہا آپ کی حویلی گئی اور آپ کے قدموں پر اپنے سارے آنسو لٹا آئی لیکن آپ نے میرا جیون سنبھالنا منظور نہیں کیا۔ آج میں آپ کے سامنے آخری بار اپنے دل کے دغوں کی پٹیاں کھولوں گی۔ میری التجا ہے کہ اپنے قیمتی وقت سے چند لمحے مجھے عنایت کر دیجیے۔“

جونا خان دلجوئی کی خاطر اس کے ساتھ ہو گیا۔ جونی دونوں باغ میں بیٹھنے، کلپنا ہچکچائی کے کرور پڑی۔ جونا خان نے درستی سے کہا۔

”مجھے صرف تھوس حقائق متاثر کرتے ہیں۔ آپ جیسی ویشیزہ کے پھلے ہوئے آنسو میرے لیے بیکار چیز ہیں۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہے، کم سے کم وقت میں کہہ دیں۔“

کلپنا نے سسک کر کہا۔ ”جب سے میں علاؤ الدین کے دربار میں آئی ہوں، نظارہ مسلمان ہو چکی ہوں مگر اب میں دل کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو گئی ہوں کہ سچے دل سے اپنا دھرم چھوڑنے اور مسلمان ہونے کے لیے بھی تیار ہوں۔ اب آپ بے نیازی کا سلوک ترک کر دیں اور مجھ سے نکاح کر لیں۔ میں زندگی بھر آپ کی باندی بن کر رہوں گی۔“

جونا خان نے کلپنا کی طرف سے شادی کے دیرینہ اصرار کا پہلی مرتبہ نرمی اور نہایت صراحت سے جواب دیا۔

”دیکھو کلپنا! تم میری نسبت جو جذبات رھتی ہو، انہیں کہہ دو۔ یاد رکھو ہمارا خدا نہایت غیر متند ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ شرک کی ادنیٰ سی پر چھائی کے بغیر صرف اس کی بندگی کے لیے اسلام قبول کر لیں۔ ہمیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تمہاری نگاہوں میں بولنے ہوئے سوال اور تمہارے دل میں چھپے ہوئے خیال جانتا ہوں۔ مجھے وہ گفتگو اچھی طرح یاد ہے جو تم نے مسلمانوں کے بارے میں احمد آباد کے قلعے میں کی تھی۔ مسلمانوں نے نفرت ہی کی بدولت تم نے ابھی تک سچے دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب بھی تم اپنے جسم اور جنس کے مطالبے کے باعث مجھے پیش نظر رکھ کر اسلام قبول کرنے کی پیشکش کر رہی ہو۔ اگر اسلام قبول کرنا ہے تو اس کی حقانیت اور صداقت کے پیش نظر قبول کر لو لیکن اگر میری بصیرت دھوکا

گورنر پنجاب غیاث الدین تغلق کچھ دنوں کے لیے اپنے بیٹے جو خان کے پاس دہلی آیا ہوا تھا۔ دونوں باپ بیٹے فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جب انہیں الف خان کے قتل کی اطلاع ملی تو ان کے غم و غصے کی حد نہ رہی۔ بے ساختہ دونوں کے منہ سے نکلا۔

”یہ خون ناحق کپور نے کرایا ہے۔“

غیاث الدین تغلق نے کہا۔ ”بیٹے جو خان! اب وقت آ گیا ہے کہ کپور کو اس کے کرتوتوں کا مزہ چکھا دیا جائے۔ میں نے مرحوم علاؤ الدین غلامی کو اس خونی کے مشتبہ کردار سے آگاہ کر دیا تھا لیکن مرحوم نے میری باتوں پر توجہ نہیں دی۔ یہ مرحوم کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج ملک میں کسی کی جان محفوظ نہیں ہے۔ ظالم کپور جسے چاہتا ہے، جھکا لگا دیتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری جان بھی محفوظ نہیں ہے۔“

اس پر جو خان نے ادب سے کہا۔ ”پدر بزرگوار! آپ درست فرماتے ہیں۔ تاہم میں آپ سے استدعا کروں گا کہ کپور سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ سردار الف خان جیسے برکزیہ جرنیل کا خون رانگاں نہیں جائے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کپور کے جبر اور شریف انسانوں کے صبر کی حد ہو چکی۔ میں پورے اعتماد سے پیش گوئی کرتا ہوں کہ ظلم کی ناؤ متحریب ڈوب جائے گی اور کپور ذلت ناک کی موت مارا جائے گا۔ ہر ذی روح کی زندگی اور موت کی مہار خدا نے کم بزل کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اپنے بارے میں یا میری نسبت کپور سے خائف نہ ہوں۔“

☆☆☆

الف خان کا جنازہ اٹھا تو دہلی میں کہرام برپا ہو گیا۔ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی نیک نفسی، دریادلی اور شجاعت کی اتنی یادیں چھوڑ گیا تھا کہ اس کے غم میں ہر آنکھ اٹھکا رہی تھی۔ اس صورت حال کی خبر کپور اور کلپنا کو ملی تو انہیں کسی قدر تشویش ضرور ہوئی مگر انہوں نے اپنے خونی منصوبے ترک نہیں کیے۔ کپور نے تنگ میں آ کر تہہ لگا یا اور کلپنا سے کہا۔

”میری پیاری بہن! آج ہم نے الف خان کا کام تمام کر دیا ہے۔ وہ ہمارے راستے کا بہت بڑا پتھر تھا۔ اب ہم اپنی منزل سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔“

کلپنا ہنس کر بولی۔ ”کپور! راج پوچھو تو آج میرے من کو شانتی مل گئی ہے۔ یہی بیٹھ الف خان تھا جو گجرات پر حملہ آور ہوا تھا۔ آج اس کے خون سے گجرات کی ٹھکست کا داغ جھل گیا ہے۔“

خطرہ علاؤ الدین کے بڑے بیٹے خضر خان، سردار الف خان، غیاث الدین تغلق اور جو خان سے تھا۔

کپور، جو خان کی حیرت انگیز قابلیت، بصیرت اور شجاعت سے بے حد خائف تھا۔ تاہم اسے سب سے زیادہ اور فوری خطرہ خضر خان سے تھا جو علاؤ الدین کے تحت کا وارث تھا۔ جس دن علاؤ الدین کا انتقال ہوا، کلپنا اور کپور نے بھی کے چراغ جلانے اور چند جلا دوں کو اشرافیوں کی تھیلیاں دے کر خضر خان کو اغوا کر لیا۔

کلپنا نے اسے اپنے حسن سے لہا کرتی ڈیلا دی۔ بعد ازاں کپور نے خضر خان کی آنکھیں نکال کر اسے اندھا اور زبان کاٹ کر گودھ کر دیا پھر اس نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے علاؤ الدین کے سب سے بچھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرنے کا اعلان کیا اور خود اس کا نگران بن گیا۔

یوں اب ہندوستان کی حکومت علماء اس کے ہاتھ آ گئی۔ کیونکہ علاؤ الدین کے بیٹے کو کم سن کی وجہ سے امور سلطنت میں کوئی دخل ہی نہ تھا۔ اب کپور کو سن مانیاں کرنے کا موقع مل گیا۔

علاؤ الدین غلامی نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں سردار الف خان کو کسی ہم پروردانہ کیا تھا۔ وہ واپس آیا تو دہلی کی فضا پلٹ چکی تھی۔

علاؤ الدین مرچکا تھا اور تمام اہل دربار پر کپور کی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ چند بالغ نظر سانچو رہ بزرگوں کو سلطنت کی ویرانی اور ملک کا فورد (کپور) کی بربریت سے سخت تشویش لاحق تھی۔ وہ آئے دن کسی نہ کسی عالم دین اور کسی نہ کسی محب وطن امیر کے قتل کی واردات سنتے تھے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔

الف خان دہلی پہنچا تو کلپنا اور کپور (ملک کا فورد) نے کرائے کے چند قاتلوں کو زہر میں بھیجی ہوئی تواریں دے کر رات کو اس کی حویلی پر تعینات کر دیا۔

الف خان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اور اس کی ضعیف بیوی گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ فجر کی اذان ہوئی تو الف خان نماز کے لیے اپنی حویلی سے نکلا اور مسجد کی طرف چل پڑا۔ وہ چند قدم دور گیا تھا کہ گھات میں بیٹھے ہوئے قاتلوں نے اس کا تعاقب کیا اور ایک سنان موٹر پر اسے قتل کر ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس المناک قتل کی خبر دہلی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

☆☆☆

کپور پولا۔ ”بس! اب برا رہتا کرو کہ غیاث الدین تغلق اور جوٹا خان کے کانٹے بھی صاف ہو جائیں۔ میں بہت جلد موقع پاتے ہی ان دونوں کی گردنیں کٹوا دوں گا۔“ جوٹا خان کا نام سن کر کلپنا کے من میں ایک دفعہ پھر اس کی محبت چمک اٹھی۔ وہ تیزی سے بولی۔ ”کپور! غیاث الدین تغلق تو تجربہ کار بڑھا ہے۔ اس کو جب جی چاہے اگلے جنم کا راستہ دکھا دو مگر جوٹا خان خطرناک آدمی نہیں ہے۔ اسے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اسے ہمیشہ الگ تھلگ کتابوں کی ورق گردانی کرتے پایا ہے۔ تم اس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ کرو۔“

کپور نے جواب دیا۔ ”میری کلپنا! تمہیں ابھی تک حقل نہیں آئی۔ تم جوٹا خان کو بے ضرر سمجھتی ہو۔ حالانکہ پورے ہندوستان میں اس سے بڑا دانشور کوئی نہیں ہے۔ میں اس کے تیمور دیکھتا ہوں تو خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔ اس کی تاریخ پر بڑی گہری نظر ہے۔ وہ بڑے بڑے پیچیدہ اور لائجل معاملے کو چند منٹوں میں پانی کر دیتا ہے۔ میں نے اسے علاء الدین خلجی کے سامنے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے دیکھا ہے۔ وہ وقت کی رفتار کو چھپاتا ہے۔ بظاہر خاموش رہتا ہے مگر انونی چیزیاں کے گراں لیتا ہے۔ حکمت کے ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے کے بارے میں اس کی معلومات بے حدود وسیع اور مکمل ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً ہمارے راستے کی سب سے بڑی دیوار نہیں بلکہ چٹان ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“

کپور کی یہ باتیں سن کر کلپنا کا من تڑپ اٹھا مگر وہ خاموش ہو گئی۔ کپور کا خدشہ درست تھا۔ الف خان کی موت سے جوٹا خان بے قرار ہو گیا تھا۔ اس نے نہایت خاموشی اور رازداری سے فوج کے بڑے بڑے افسروں اور دربار کے امراء کو مرحوم الف خان کے گھر مدعو کیا۔

الف خان کی نیک سیرت بیوی اگرچہ اپنے نامور شوہر کی موت سے ہڈ اٹھاتی مگر اس نے نہایت خلوص اور جانفشانی سے حاضرین کو پر تکلف ضیافت دی۔ اس موقع پر جوٹا خان نے نہایت فکر انگیز تقریر کی اور اپنی شعلہ بیانی سے تمام فوجی افسروں اور درباری امراء کے دلوں کا یا پلٹ دی۔ وہ جب جوٹا خان کی تقریر سن کر واپس لوٹے تو ان کے تن بدن میں کپور کی نفرت کا لاوا کھول رہا تھا۔ ان سب نے یک جان ہو کر اسی روز شاہی محل پر دھاوا بولا اور کپور کو قتل کر کے اس کی لاش کے چیتڑے اڑا دیے۔

☆☆☆

تقدیر کی طرف کا ری ابھی جاری تھی۔ کپور کی موت کے بعد سلطنت کی باگ ڈور قطب الدین مبارک کے ہاتھ میں آئی۔ جوٹا خان نے اسے امور سلطنت میں پیش قیمت مشورے بھی دیے مگر وہ ایسا عقل کا اندھا تھا کہ اس نے جوٹا خان کے مخلصانہ مشوروں پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنے ایک خوشامدی امیر خسرو خان کے چھانے میں آ گیا۔

خسرو خان بھی ہجرات کا ہندو تھا۔ علاء الدین خلجی کے خوف سے وہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا مگر وہ نہایت غدار، مکار اور عیار آدمی تھا اور خفیہ طور پر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

یوں خسرو خان بھی کلپنا کے جان لیو حسن کا دیوانہ تھا۔ کپور کی موت کے بعد کلپنا اور خسرو خان میں گڑھی چھنے لگی۔ دونوں کا مقصد ایک تھا۔ دونوں ہی مسلمانوں کی قوت و عظمت کا شیرازہ کبیر نے پر تلے بیٹھے تھے۔ خاص طور پر کپور کے قتل کے بعد کلپنا تو مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔

1317ء کی ایک سرد شام بھی جب خسرو اور کلپنا نے سازش تیار کی اور قطب الدین مبارک کو اپنے گھر ضیافت دی۔ نادان قطب الدین بھی خوش کلپنا کے گھر چلا گیا۔ یہاں خسرو نے اسے قتل کر دیا۔ خسرو، کپور سے کہیں زیادہ غیاث الدین تغلق اور جوٹا خان کا دشمن تھا۔ اسے بھی اپنے راستے کے سنگ گراں یہی دونوں باپ بیٹے نظر آئے۔

خسرو خان، غیاث الدین تغلق سے بہت خوفزدہ تھا کیونکہ پنجاب کے گورنر کی حیثیت سے اس نے پنجاب کے عوام کی ایسی جاں نثاری اور دردمندی سے خدمت کی تھی کہ یہاں ہر بچہ بوڑھا اس کا گرویدہ تھا۔ اس لیے غیاث الدین تغلق کو گورنر کے عہدے سے برطرف کرنا اور اس پر کھلے عام وار کرنا خسرو خان کے بس کی بات نہیں تھی چنانچہ اس نے غیاث الدین تغلق کو دھوکے سے دہلی بلا کر قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

خسرو، کلپنا کے مکان پر رنگ رلیاں مٹا رہا تھا۔ اس نے ایک ہر کارے کو بھیج کر دربار کے ایک امیر ملک کمال کو بلوایا۔ ملک کمال، غیاث الدین تغلق کا بچپن کا دوست تھا اور جوٹا خان پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بیٹی کی شادی جوٹا خان سے کر دے۔ چنانچہ ملک کمال نے جوٹا خان سے اپنا عنیدہ ظاہر کیا۔

جوٹا خان نے جواب میں کہہ دیا کہ آپ میرے والدین سے بات کریں۔ ان کا حکم ہوگا تو میں یقیناً شادی کر لوں گا۔ جب ملک کمال نے یہ بات غیاث الدین تغلق سے کی تو اس نے کہا کہ میں جوٹا خان کی شادی اپنے بھائی



رجب علی کی بیٹی سے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ اس لیے تم سے معذرت خواہ ہوں۔ ملک کمال نے غیاث الدین تغلق کے انکار کو اپنی توہین سمجھا اور دل میں دھمکی بھا کر بیٹھ گیا۔ اب جو خسرو نے اسے طلب کیا اور اس کے ذریعے غیاث الدین تغلق کو پنجاب سے دہلی بلا کر کشت کرنے کا پروگرام بنایا تو ملک کمال کو اپنی دشمنی کی بھڑاس لگانے کا موقع مل گیا۔ خسرو خان نے ملک کمال کو بہت بڑی جاگیر کا لالچ دے کر اسے اچھی طرح درغلا یا اور غیاث الدین تغلق کی طرف دیپال پور روانہ کر دیا تاکہ وہ اسے کسی بہانے پہلا پھسلا کر دہلی لے آئے۔

ملک کمال اسی وقت دیپال پور روانہ ہو گیا۔ قدرت کے کھیل نزلے ہوتے ہیں۔ جونہی ملک کمال، کلپنا کے گھر سے رخصت ہوا، کلپنا کو جونا خان کا خیال آ گیا اور اس کی پیاسی مجروح روح پھڑک اٹھی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ جونا خان کو خسرو کے عزائم سے آگاہ کر کے اس کے باپ کی جان بچاؤں اور اس طرح جونا خان کا دل جیتنے کی کوشش کروں۔

یہ سوچ کر وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ آدھی رات بیت چکی تھی۔ کلپنا اپنی دھن میں مت کوچہ و باناؤ سے گزرتی ہوئی جونا خان کی حویلی کی طرف چلی جا رہی تھی۔ اس نے جلد ہی جونا خان کے نوکروں اور دیگر اہل خانہ کو جگا دیا مگر جونا خان حویلی میں موجود نہ تھا۔

کلپنا نے یکے بعد دیگرے تمام اہل خانہ سے پوچھا کہ جونا خان کہاں گیا ہے مگر وہ سب ایک دوسرے کی طرف اشاروں کنایوں سے دیکھنے لگے اور جونا خان کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔

کلپنا کے لیے یہ سنہری موقع تھا۔ وہ غیاث الدین تغلق کی جان بچا کر جونا خان کو اپنانے کی بڑی حد تک کامیاب کوشش کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے ان موقع سے فائدہ اٹھانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ وہ واپس اپنے گھر آئی۔ ایک نوکر ہمراہ لیا اور ایک برق رفتار گھوڑا گاڑی لے کر دیپال پور روانہ ہوئی۔

جب وہ منزلیں بارتی ہوئی دیپال پور پہنچی تو سورج ڈوب چکا تھا مگر اس نے کہیں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سیدھی غیاث الدین تغلق کی اقامت گاہ پہنچی مگر اسے پہریداروں نے مشتہرہ کھڑک لیا۔

کلپنا نے بے قرار ہو کر کہا کہ آپ لوگ مجھے مت روکیں ورنہ ایک بہت بڑا حادثہ ہو جائے گا۔ ایک بوڑھے پہریدار نے کلپنا سے متاثر ہو کر کہا کہ تم

جو کچھ کہنا چاہتی ہو، ایک کاغذ پر لکھ دو۔ ہم تمہارا پیغام والی پنجاب حضرت غیاث الدین تغلق تک پہنچا دیں گے۔ یہ کہہ کر پہریدار نے کلپنا کو کاغذ اور قلم دان پیش کر دیا۔ کلپنا نے نہایت غلبت میں غیاث الدین تغلق کے نام یہ عبارت لکھ لی۔

”عالی جاہ! ملک کمال کے ساتھ دہلی جانے کی غلطی مت کیجیے گا۔ آپ کی زندگی خطرے میں ہے اور آپ سے میرا ملنا بے حد ضروری ہے۔“

آپ کی ایک خیر اندیش۔“

جب وقت یہ رقعہ تغلق کی خدمت میں پہنچا یا گیا وہ اور جونا خان عشا کی نماز سے فارغ ہو کر نہایت خوشنور ماحول میں ملک کمال سے بات چیت کر رہے تھے۔

ذہین جونا خان نے اپنی بے خطا ذہانت سے خسرو کی نقل و حرکت سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی اور اپنے والد کو دہلی کے تازہ ترین سیاسی حالات سے باخبر کرنے آیا تھا۔ ملک کمال چونکہ غیاث الدین تغلق کا گہرا دوست تھا، اس لیے اسے تو اس کی آمد پر کوئی شک نہیں گزرا البتہ جونا خان کے دل میں اس کے اچانک بغیر اعلان آن پہنچنے پر کئی شکوک و شبہات جنم لے چکے تھے۔

غیاث الدین تغلق نے کلپنا کا رقعہ پڑھا اور خاموشی سے جیب میں رکھ لیا۔ اگرچہ اس کا دل نگر مند ہو گیا تھا تاہم اس نے اپنے چہرے سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔

ملک کمال نے پوچھا۔ ”بھائی تغلق! کیا بات ہے؟“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”کوئی خاص بات نہیں۔ حرم سے ایک پیغام آیا ہے۔ آپ سنا ہے دہلی کے حالات کیا ہیں؟“

ملک کمال نے جواب میں کہا۔ ”بھائی تغلق! دہلی کے حالات بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ خسرو خان کی تخت نشینی سے آپ کی تقدیر کھل گئی ہے۔ وہ آپ کی لیاقت، تجربے اور شجاعت کا معتقد ہے۔ آپ کو اس سے ملنا چاہیے۔ قربت پیدا کرنی چاہیے۔ وہ آپ کو اور جونا خان کو بڑے اعزاز و اکرام سے نوازے گا۔“

غیاث الدین تغلق نے کہا۔ ”ہم ازخود کیوں جائیں۔ جب خسرو خان ہمیں طلب کرے گا، ہم چلے جائیں گے۔“

ملک کمال بولا۔ ”تغلق بھائی! ذہانت سے کام لیجے۔ اس کے بلا سمجھنے سے قبل ہی آپ دربار میں حاضری دیں گے تو اس کے دل پر آپ کی وفاداری کا مسکہ بیٹھ جائے گا۔ اس طرح آپ اس کے قریب ہو کر بڑا فائدہ اٹھا سکیں گے۔“

عین ممکن ہے وہ آپ سے خوش ہو کر جو نا خان کو کوئی بڑا منصب عطا کر دے۔“

تغلق بولا۔ ”آپ کہتے ہیں تو ہم دہلی چلے چلیں گے مگر آپ ابھی کچھ دن ہمارے پاس قیام کیجیے۔ ہم آپ کو پنجاب کی سیر تو کرا دیں۔ اچھا اب آپ آرام کریں۔ ہمیں جلدی حرم پہنچنا ہے۔ آپ سے کل ملاقات ہوئی۔“

بعد ازاں ملک کمال بنی خوشی ترقی کرے میں سو گیا لیکن غیاث الدین تغلق، جو نا خان کو ہمراہ لے کر فوری طور پر حرم پہنچا اور اپنے مخصوص کمرے میں کلپنا کو طلب کر لیا۔

کلپنا وہاں پہنچی تو جو نا خان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ ادھر خور جو نا خان کو بھی کلپنا کی آمد پر سخت تعجب ہوا۔ کلپنا نے ساری رام کھانی سنا لی اور غیاث الدین تغلق کو خسرو خان کی سازش سے آگاہ کر دیا۔

غیاث الدین تغلق اور جو نا خان نے کلپنا کا شکر یہ ادا کیا اور علی الصباح نہایت ڈرامائی انداز میں ملک کمال کو گرفتار کر لیا۔ وہ بہت چنچا چلا یا کچھ کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اس کے جواب میں جو نا خان نے اس کے سامنے کلپنا کو لا کھڑا کیا۔

کلپنا کو دیکھتے ہی ملک کمال کا خون خشک ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ غیاث الدین کے قتل کی سازش کا بھڑا نہ پھوٹ چکا ہے۔ اب ملک کمال کے آنسو بہہ نکلے اور وہ جو نا خان کے قدموں میں گر پڑا۔ جو نا خان نے اسے اٹھا کر دھکی دیا۔ ”آپ کی غداری کا صلہ ہم آپ کو دہلی پہنچنے کے بعد دیں گے۔“

چند روز بعد غیاث الدین تغلق اور جو نا خان نے ایک لشکر جوار لے کر دہلی پر حملہ کیا۔ خسرو خان نے اگرچہ ٹھٹھہ کر مقابلہ کیا مگر جو نا خان نے شجاعت کے جوہر دکھائے اور ایسی عسکری مہارت سے تاب توڑ حملے کیے کہ خسرو خان کا لشکر بھاگ اٹھا۔ جو نا خان، خسرو کے تعاقب میں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر تگوار کے ایک ہی وار سے خسرو خان کا سر قلم کر دیا۔ اب ہندوستان کی سلطنت پر سلطان غیاث الدین تغلق کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا۔

پورے ملک میں غیاث الدین تغلق جیسے عالی ظرف اور نیک بادشاہ کی تخت نشینی کی خوشی میں شادیانے بجاے گئے۔

تغلق نے دربار عام طلب کیا اور اپنے بہادر فوجیوں اور وفادار ساتھیوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔

ملک کمال اور اس جیسے خدائے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ آخر کلپنا کی باری آئی۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس

سے خوش ہو کر کہا۔

”تم جو چاہو مانگو۔ ہم تمہیں منہ انکا انعام دیں گے۔“

بے پاک کلپنا نے بھرے دربار میں جو نا خان کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا۔

”میں ان سے شادی کرنے کی آرزو مند ہوں۔“

جو نا خان نے کلپنا کو ٹوکا اور کہا۔ ”محرّم! میں آپ کو اپنی محبت نہیں سو نہ سکے۔ تاہم میرا دل آپ کے حسن سلوک پر ہمیشہ احسان مند رہے گا۔“

غیاث الدین نے کلپنا کو بہت بڑی جاگیر عطا کی مگر وہ دربار سے بھی بھاگی واپس لوٹ گئی۔

☆☆☆

سلطان غیاث الدین تغلق نے 1320ء سے 1324ء تک کل چار سال حکومت کی۔ اپنی زندگی کے آخری

ایام میں وہ کھنٹی اور ترہٹ کے علاقے فتح کر کے واپس دہلی آ رہا تھا۔ اس نے دہلی سے کچھ دور ایک چوٹی پر رات بسر کی۔ اگلی صبح جو نا خان اہل دہلی کا عظیم الشان جلوس لے کر اپنے والد کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے والا تھا۔

غیاث الدین تغلق صبح کی نماز کے لیے بیدار ہوا تو چوٹی پر اس کی محبت گر پڑی۔ سلطان غیاث الدین تغلق شدید زخمی ہوا۔ جب جو نا خان اس کے استقبال کے لیے پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔

جو نا خان غم سے مڑھال ہو گیا اور اسی دن قدرت نے اس کے سر پر ہندوستان کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا۔ ایک سادہ اور پر وقار تقریب میں اس کی تاج پوشی ہوئی اور وہ محمد تغلق کے نام سے سربرائے سلطنت ہوا لیکن تاج پوشی اس کے لیے سکون کا پیغام نہیں لائی۔ اس نے اول دن ہی کمرے کو اڑھائی اور دن کے محروم میں چل نکلا۔

فتح و نصرت اس کے قدم چومتی چلی گئی۔ شیر اور بلوچستان کو چھوڑ کر پورے ہندوستان میں اس کی حکومت کے جھنڈے گڑ گئے۔ اس نے اپنے بے پناہ علم و فضل، دانائی اور نیک دلی سے مثالی حکومت کی۔ وہاں ہستیوں میں سے تھا جو قدرت سے عظیم الظہیر اوصاف کی متاع لے کر صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ایک بے پناہ انسان تھا۔ سیاست، ذہانت، فراست، شرافت اور علم کے اعلیٰ مدارج نے اس میں ایسی بالغ نظری پیدا کر دی تھی کہ اس کے عہد کا کوئی انسان اس کی ہمسری نہ کر سکا۔

اس کے یہی اوصاف اس کے لیے دشواری کا پیغام بن گئے۔ اس نے سونے اور چاندی کے بجائے تانبے کے

دور واقع ہے۔ لہذا سیاسی نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ دارالسلطنت ایسی مرکزی جگہ پر واقع ہو جہاں سے ملک کے ہر گوشے بالخصوص دکن کے حالات پر گہری نظر رکھی جاسکے۔ اس لحاظ سے دولت آباد، دہلی سے کہیں زیادہ موزوں دارالحکومت ثابت ہوگا۔ ہم نے دارالحکومت کی تبدیلی کا فیصلہ بلاوجہ نہیں کیا۔ دکن اور دولت آباد میں ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ وہاں دور دور تک کوئی کلمہ کو نظر نہیں آتا۔ اگر آپ کو ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت برقرار رکھنی ہے تو ہندوؤں کی اکثریت کو صداقت، محبت، علم اور عمل کے ہتھیاروں سے مسلمان کرنا ہے۔ خود ضروری ہے ورنہ اتنی بڑی ہندو اکثریت مسلمانوں کے لیے چیلنج بن جائے گی۔ میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ بلاتاخیر دولت آباد چلے جائے۔ میں وہاں شاہی مصارف سے مدارس تعمیر کرادوں گا۔ میری آرزو ہے کہ آپ وہاں اپنے علم، تدریس اور تبلیغ سے ہندو اکثریت کو حلقہ بگوش اسلام کریں۔ اس طرح آپ نہ صرف اپنا دینی فرض انجام دیں گے، جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہے بلکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ بھی پوری کریں گے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفس چل کر کافروں کے گڑھ طائف گئے تھے اور غفلت کے ماروں کو اللہ کی بندگی کا پیغام دے کر آئے تھے۔“

علماء جو خان کی مدلل باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ چپ چاپ واپس چلے گئے۔  
انہوں! جو خان جیسے نادر و زگار انسان سے عوام یا علماء کسی نے بھی تعاون نہیں کیا۔ نتیجتاً جو خان کے دانش مندانہ منصوبے یکے بعد دیگرے ناکام ہو گئے۔

بہر کیف .. دکن کی فتوحات کے بعد جو خان دہلی آیا تو اس کی والدہ نے اس سے اصرار کیا۔ ”بیٹا! اب میں بڑھاپے کے زخموں میں ہوں۔ خدا نے تم کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیا ہے۔ پورے ہندوستان میں تمہاری فرمانروائی کا سکھ چل رہا ہے۔ اب میری آرزو ہے کہ تم شادی کرو۔“  
سعادت مند جو خان نے ہائی بھری۔ اشنائے راہ۔ جو خان کی چچی اور عزیز و اقارب پنجاب سے دہلی آن پہنچے۔ حرم سرا میں چہل پہل ہو گئی۔ جو خان کی چچی اور رشتے کی بہنوں نے اس بات پر بڑی مسرت ظاہر کی کہ وہ شادی پر رضامند ہو گیا ہے۔

لہذا آنا فانا شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ڈھول بجنے لگے، شہنائیاں گونجنے لگیں۔ یہ رنگ دیکھ کر جو خان

سکے چلائے تو لوگ اسے دیوانہ کہنے لگے مگر اس کی مستقبل میں چھانکنے والی فراست کو اپنے فیصلے پر کوئی جھک نہیں گزرا۔ اس نے ڈکنے کی چوٹ پر اعلان کیا کہ آج ہماری رعایا تانے کے سکے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب سونے چاندی کے سکے متروک ہو جائیں گے اور تانے اور کاغذ کے سکے رواج پائیں گے۔ اس نے یہ بات 1325ء میں کہی تھی۔ آج کاغذی کرنسی نوٹ دیکھ کر اس کی دور رس نگاہ کی داد دینی پڑتی ہے۔

فتوح السلاطین کا مصنف اسامی اور ابن بطوطہ، جو خان کے دور کے اہم مؤرخین ہیں۔ ان میں سے اسامی کو تو جو خان سے ذاتی عداوت تھی۔ وہ ہمیشہ جو خان کے حریفوں میں گھلامار پھرتا تھا جبکہ ابن بطوطہ کی بعض حرکتوں سے جو خان خود ناراض ہو گیا تھا اور ابن بطوطہ اس کا کاروبار چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

لہذا یہ دونوں مؤرخین اپنی تصانیف میں جو خان کے خلاف زہر اگھتے رہے۔ جہاں تک فیاض الدین برنی کا تعلق ہے، وہ علم و فکر کے سمجھے جو خان کی ذہنی بلندیوں کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ اس لیے یہ اپنی جگہ بہت بڑی ستم ظریفی ہے کہ تاریخ بھی جو خان سے انصاف نہ کر سکی۔ جو خان نے دیوگری کوچ کر کے اس کا نام دولت آباد رکھا اور امرائے دہلی کو دولت آباد منتقل ہونے کا حکم دیا تو عقل شنموں نے اسے خطبی کہنا شروع کر دیا۔

ایک روز علماء کا ایک وفد جو خان سے ملنے آیا۔ جو خان نے ان کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا اور انہیں اپنے تخت کی قریبی مندوں پر بٹھا کر ان کی آمد کا مقصد معلوم کیا۔ علماء نے کب زبان ہو کر کہا۔

”آپ دولت آباد کو دارالحکومت نہ بنائیں۔ ہم دہلی چھوڑ کر دولت آباد نہیں جاسکتے۔“

جو خان نے اب سے پوچھا۔ ”آپ حضرات کے دولت آباد جانے میں کون سی معقول وجہ حائل ہے؟“

علماء نے جواب دیا۔ ”دہلی میں ہمارے دینی مدارس ہیں۔ ہم اگر دولت آباد چلے جائیں گے تو ہمارا تہذیبی کام رک جائے گا اور اسلام کی نشر و اشاعت بند ہو جائے گی۔“

جو خان نے نعل سے کہا۔ ”معزز علماء! ہمیں آپ کے منصب اور تقدس کا بھرپور احساس ہے۔ ہم آپ کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین اور سیاست ایک ہی حقیقت کے دو جلوے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دہلی، دکن اور دیگر جنوبی علاقوں سے بہت

درمیاںی راہداری سے ایک ہوشیار نازنین زربخت کی سرخ پشوا لہرائی ہوئی دیوان خاص میں داخل ہوئی اور رقصاؤں کے عین وسط میں آکر ناچنے لگی۔

سب کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ سب کے ہوش اڑ گئے۔ سب کی نگاہیں سوال بن گئیں۔ یہ رقصہ بجلی کی طرح کوندی ہوئی جونا خان کے تخت کے قریب آئی اور کچھ دیر سر ہچکا کر گبولے کی طرح لوٹ گئی۔ رقصاؤں کے درمیان پہنچ کر جو نبی اس نے غزل چھیڑی، جونا خان اس کے گلے کی رعنائی پر چونک پڑا۔

یہ کلپنا تھی...

اس کے حسن کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اس کے یاقوتی ہونٹوں سے غزل کے مصرعے مدھر ہاں ہونے لگے۔

وفا آموختی از من نکاد دیگران کردی

ربودی گوہرے از من شاد دیگران کردی

جوں جوں ساز کی لے تیز ہوئی مئی، کلپنا کے سخنے گردشیں نچوڑتے گئے۔ اس کی آواز کے سوز و گداز سے سب کے جسم و جاں میں بجلیاں بھر گئیں۔ وہ رہ رہ کر تخت شاہی کے قریب آتی اور ناکیں کی طرح بل ہکا کر لوٹ جاتی۔ یکایک اس کا تاج تیز ہو گیا۔ اس کی جوانی کا آتش کدہ بھڑک اٹھا۔ اس کے بھولتے گئے۔ اس کی ادا میں گھسرتی گئیں۔ وہ کمر لہروں کی طرح بڑھتی، کبھی خوشبو کی طرح چلیتی، کبھی گھٹاؤں کی طرح آہٹتی اور پچھڑیوں کی طرح سمٹ جاتی۔

اسی گشت و باز گشت میں وقت اس نے پہلو سے خنجر نکالا اور اپنے سینے میں گھونپ دیا۔ خون کی ایک تیز دھار ابلی اور کلپنا کو گل گٹار بنائی۔

زندگی اور موت کا باہمی فاصلہ ایک لمحے سے زیادہ نہ تھا۔ وہ کلپنا جو چند لمحوں پہلے علم عشق کی درود آستانہ تھی، اب موت کی خونی قبا پہن کر دم نہاں عشق کی کھیل کر چلی تھی۔

جونا خان 1325ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے

26 سال تک پورے فضل و کمال سے حکومت کی۔ 1351ء میں وہ ایک باغی کے تعاقب میں دریائے سندھ عبور کر رہا تھا۔ رمضان المبارک کے دن تھے۔ اس نے روزہ افطار کیا۔ اچانک طبعیت گھڑائی۔ قدرت کا بلاوا آگیا اور اپنے عہد کا یہ سب سے بڑا انسان موت کی آغوش میں سو گیا۔ اس کی عظمتیں اب تک کسی مورخ کی منتظر ہیں۔

نے اپنی والدہ، چچی اور بہنوں سے کہا کہ میں شادی کا فرض نہایت سادگی سے انجام دینا چاہتا ہوں۔ ذمہ، شہنائیاں، ہماری چیز اور بری شادی کے شرکاتہ نہ لائیں۔ اس بات پر جونا خان کی والدہ، چچی اور بہنیں ہلکھلا کر ہنس پڑیں۔ وہ سب بیک آواز کہنے لگیں۔

”شادی کا دن روز بروز نہیں آتا۔ یہ قریب ایک ہی وقفہ ہونی ہے۔ خوشی کے اس سب سے بڑے مظاہرے پر ہلکی پھلکی موسیقی اور چند درخشاں غزلوں کا اہتمام ہو جائے تو اس میں آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عرب مسلمان خواہن بھی خوشی کے موقع پر دف بجا یا کرتی تھیں اور اشعار گایا کرتی تھیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ کی شادی کا جشن ایسا ہو کہ سر اہندوستان رنگ رہ جائے۔“

جونا خان معاملے کی نوعیت بخوبی سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی ماں اور بہنوں کی دلجوئی کی خاطر مجبوراً خاموش ہو گیا۔

شادی کا دن آیا تو شاہی محل کی رونق عروج پر پہنچ گئی۔

محل کا ایک ایک در پیچہ کا فوری صحنوں سے جھکا اٹھا۔ جابجا

گلاب اور چنبیلی کے دروازے بنائے گئے۔ رنگ برنگے کبوتر

فضاؤں میں اڑائے گئے۔ بچوں اور عورتوں کی ٹولیاں ایک

سرے سے دوسرے سرے تک چھتی نظر آنے لگیں۔ ملک،

عزیز اور حتا کی خوشبو سے گل کا ذرہ ذرہ مہک اٹھا۔ اسی عالم

رنگ و نور میں جونا خان کا نکاح اس کے چچا کی بیٹی سے ہو گیا۔

بعد ازاں دیوان خاص میں ہزاروں فانوس روشن

کئے گئے۔ ایک جانب امراء، وزراء اور اعلیٰ افسروں کی

مسندیں بھی ہوئی تھیں تو دوسری جانب زرنگار پردوں کے

پیچھے بیگمات قالینوں پر قطار اندر قطار بیٹھی تھیں۔

جونا خان تخت شاہی پر فروس تھا۔ پہلو میں اس کی

دلہن بیٹھی تھی۔ رقص کا پروگرام تھا۔ باکباز جونا خان نے

زندگی میں پہلی بار اپنے عزیزوں کے اصرار پر یہ خوب

صورت بدعت کو اراکی گئی۔

ایک قالین کے چاہیے پر بیٹھے ہوئے سازندوں

نے طبلے بجا دیے۔ دیوان خاص میں سناٹا چھا گیا۔ دائیں

بائیں کی راہداریوں سے پری بیکہ رقصاؤں کی ٹولیاں

دیوان خاص میں داخل ہونے لگیں۔ وسیع و عریض دالان

میں رقصاؤں کے سخنے دائیں سے بائیں اور بائیں سے

دائیں گردش کرنے لگے۔ ساز کی لے تیز ہوئی۔ اچانک

### ماخذات

آئینہ ہند۔ سلطان غیاث الدین تغلق۔ ابن بطوطہ۔ آئینہ شرق الہند۔ سلطان علاؤ الدین خلجی